اُردو

نویں جماعت کی درسی کتاب

مادھیمک شکشا پریشد، اتر پردیش

پریاگ راج

Rs. 17.00

راجیو پرا کشن - پریاگ راج

Royalty Paid Book

تشکیل کمیٹی برائے نصابی کتب

زیرسرپرستی:

جناب **دیپک کمار**، اپر چیف سکریٹری، سکنڈری ایجوکیشنل، حکومت اتر پردیش۔

زیرِ نگرانی:

ڈاکٹر **مہیندر دیو**، ڈائرکٹر آف ایجوکیشن (سکنڈری)، اترّ پردیش، لکھنؤ۔

کنوینر:

جناب **دِبیہ کانت شکلا**، سکریٹری، سکنڈری ایجوکیشن، بورڈ، اترّ پردیش، پریاگ راج۔

کوکنوینر:

جناب **اشوک کمار گپتا**، ایڈیشنل سکریٹری، (پا. پو. را)، سکنڈری ایجوکیشن، بورڈ، اترّ پردیش، پریاگ راج۔

محترمہ **شردھا شکلا**، ڈپٹی سکریٹری، سکنڈری ایجوکیشن، بورڈ، اترّ پردیش، پریاگ راج۔

محترمہ **منیشا کشواہا**، اسسٹنٹ سکریٹری، سکنڈری ایجوکیشن بورڈ، اتر پردیش، پریاگ راج۔

مجلس مشاورت:

1۔ ڈاکٹر **ظفراللہ انصاری** (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج، اتر پردیش۔

2۔ ڈاکٹر **محمد کاشف** (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، پریاگ راج، اتر پردیش۔

3۔ ڈاکٹر **فاضل احسن ہاشمی** (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ، اتر پردیش۔

4۔ ڈاکٹر **نفیس احمد** (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، سی. ایم. پی. ڈگری کالج، پریاگ راج، اتر پردیش۔

5۔ ڈاکٹر **جگد مبا دوبے** (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، حلیم مسلم پی. جی. کالج، کانپور، اتر پردیش

6۔ ڈاکٹر **شبنم رضوی** (ایسوسیئٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، کرامت حسین مسلم گرلس پی جی کالج، لکھنؤ، اتر پردیش۔

7۔ ڈاکٹر **طاہرہ پروین** (اسسٹنٹ پروفیسر) شعبۂ اردو، ایس. ایس. کھنّا ڈگری کالج، پریاگ راج، اتر پردیش۔

مجلس تصنیف وتالیف:

1۔ جناب **ابوبکر خاں** (لکچرار) سی۔اے۔وی۔انٹر کالج، پریاگ راج۔

2۔ جناب **محمد ارشد** (لکچرار) جی۔آئی۔سی۔، پریاگ راج۔

3۔ جناب **عبدالحکیم** (لکچرار) مجیدیہ اسلامیہ انٹر کالج، پریاگ راج۔

4۔ ڈاکٹر **اجے مالوی** (لکچرار) اینگلو بنگالی انٹر کالج، پریاگ راج۔

5۔ محترمہ **خولہ ناز** (لکچرار) حمیدیہ گرلس انٹر کالج، پریاگ راج۔

6۔ جناب **احسان احمد** (لکچرار) سینٹ اینڈ روج، انٹر کالج، گورکھپور۔

7۔ ڈاکٹر **شمامہ عابدی** (لکچرار) کراسٹھویٹ انٹر کالج، پریاگ راج۔

8۔ محترمہ **شائستہ انجم** (لکچرار) راجکیہ ابھینو ودیالیہ، داندوپور، چاکا، پریاگ راج۔

9۔ ڈاکٹر **عصمت نیلو انصاری** (لکچرار) جی۔جی۔آئی۔سی۔پرتاپ گڑھ۔

10۔ محترمہ **ثنا صدیقی** (لکچرار) پتراچار شکشا سنستھان، پریاگ راج۔

11۔ ڈاکٹر **عبدالحی** (لکچرار) ضلع شکشا و پراشکشن سنستھان، پریاگ راج۔

12۔ محترمہ **شائستہ اقبال** (لکچرار) ضلع شکشا و پراشکشن سنستھان،، فتح پور۔

13۔ ڈاکٹر **شکیل فاطمہ** (اسسٹنٹ ٹیچر) حمیدیہ گرلس انٹر کالج، پریاگ راج۔

14۔ محترمہ **شبانہ انجم** (اسسٹنٹ ٹیچر) جی.آئی.سی.، پریاگ راج۔

کوآرڈینیٹر:

محترمہ **بندو یادو**، لٹریری اسسٹنٹ، مادھیمک شکشا پریشد، اتر پردیش، پریاگ راج۔

محترمہ **سنگیتا یادو**، لٹریری اسسٹنٹ، مادھیمک شکشا پریشد، اتر پردیش، پریاگ راج۔

پورٹریٹ:

آشیس نرائن

پیش لفظ

اردو ہمارے ہندوستان کی ان زندہ زبانوں میں سے ہے جس کا دائرہ نہایت ہی وسیع ہے۔ اردو کے بولنے والے سارے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا ادبی سرمایہ بھی وقیع و وسیع ہے۔ اس نے ہماری مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ ریاستِ اتر پردیش کو ابتدا ہی سے اس زبان کا گہوارہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ یہاں کے ادبا اور شعرا نے اس زبان کی آبیاری میں اپنا خونِ جگر صرف کر کے اس کو بامِ عروج تک پہنچایا ہے۔ عوامی سطح پر بھی یہ زبان کافی مقبول رہی ہے اور اس کی مقبولیت کا خیال رکھتے ہوئے اس کو اتر پردیش کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا اور اس کی ترویج واشاعت اور عروج وترقی پر خصوصی توجہ دی گئی۔ کسی بھی ملک کی ترقی اس کے تعلیمی وتدریسی معیار پر منحصر ہوتی ہے۔ جس ملک کا تعلیمی معیار جتنا بلند اور برتر ہوگا وہ ملک اتنا ہی ترقی یافتہ ہوگا لہٰذا تعلیمی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے حکومتیں ہمیشہ کوشاں رہی ہیں ''جدید نظریۂ تعلیم 2020'' میں مختلف مضامین کے ساتھ ساتھ زبان کو وقیع و وسیع بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے 2022ء میں اتر پردیش حکومت کی جانب سے ایک نصابی کمیٹی عمل میں آئی جس نے جدید تعلیمی تقاضوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے نویں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں جماعتوں کے نصاب پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنی تجاویز پیش کیں جن میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا کہ این.سی.ای.آر.ٹی. کے نصاب اپنائے جانے کی وجہ سے مقامی شعرا و ادبا کی تخلیقات نصاب سے خارج ہو جائیں گی۔ اس لیے ایس.سی.ای.آر.ٹی. نے یہ فیصلہ کیا کہ ماہرین زبان و ادب اور اساتذہ کی ایک کمیٹی کے ذریعے این.سی.ای.آر.ٹی. کے طرز پر کتابیں شائع کرائی جائیں۔ ان کتابوں کے تیار کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھّا جائے کہ مذکورہ کتابوں کے مشمولات طلبہ اور

طالبات کے لیے مفید اور کار آمد ثابت ہوں اور ان کتابوں کی مدد سے وہ صحیح اردو بولنا، پڑھنا اور لکھنا سیکھ سکیں، اس کے علاوہ اُن کے اندر زبان کی محبت اور ادب کا ذوق بھی پروان چڑھ سکے۔ ان کتابوں سے ہمارے طلبہ وطالبات میں فکر وشعور، تنقیدی نقطۂ نظر اور تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ان میں انسانی قدروں کے تئیں احترام کا جذبہ بھی پیدا ہو۔

مذکورہ مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کئی مرحلوں میں اردو ورکشاپ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں مرکزی و ریاستی سطح کے مختلف اداروں سے متعلق اساتذہ شریک ہوئے اور کتابوں کی ازسرِ نو تحریر و تالیف، ترتیب، تدوین اور نظرِ ثانی کا عمل سرانجام دیا۔ ان کتابوں میں نصاب اور امتحان کے طریقوں کے سبھی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مشقی سوالات میں تنوع رکھا گیا ہے اور اسباق دلچسپ بنانے کی غرض سے شعرا اور ادبا کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔ اس ورکشاپ میں بورڈ کے تمام اراکین نے بڑی محنت، لگن اور پوری دلچسپی سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا جس کے لیے وہ قابلِ تعریف وتحسین ہیں۔ اتر پردیش مادھیمک شکشا پریشد ان تمام ارکان و شرکا کا شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے ان کتابوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اپنا قیمتی تعاون پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر مہیندر دیو

ڈائریکٹر (مادھیمک)/ چیئرمین

مادھیمک شکشا پریشد، اتر پردیش

پریاگ راج

فہرست

نمبر شمار	شاعر/مصنف	مشمولات	صفحہ نمبر
حِصّہ نثر			
		داستان	
1	میر امّن	سیر چوتھے درویش کی	14
		خطوط	
2	مرزا اسداللہ خاں غالبؔ	(i) مرزا علاء الدین احمد خاں علائی کے نام (ii) میر مہدی مجروحؔ کے نام (iii) منشی ہرگوپال تفتہؔ کے نام	28
		مضمون	
3	سر سید احمد خاں	بحث و تکرار	37

4	محمد حسین آزاد	(1) مرزا مظہر جانِ جاناں (2) سیّد محمّد میر سوزؔ	47
	ناول		
5	مولوی نذیر احمد	فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی	61
6	رتن ناتھ سرشار	(i) مہری کا سراپا (ii) ریل کا سفر	72
	سوانح		
7	خواجہ الطاف حسین حالیؔ	مرزا غالبؔ کے حالات	82

حِصّہ شعر و نظم

	غزل		
8	ولی محمد ولیؔ دکنی	آج دِستا ہے حال کچھ کا کچھ	100
9	مرزا محمد رفیع سوداؔ	جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا	106
10	خواجہ میر دردؔ	(i) جی میں ہے سیرِ عدم کیجیے گا (ii) تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا	112

11	میر تقی میرؔ	(i) الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا (ii) ہستی اپنی حَباب کی سی ہے	120
12	خواجہ حیدر علی آتشؔ	بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں	129
13	شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ	اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا	135
14	مرزا اسداللہ خاں غالبؔ	(i) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا (ii) ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے	140
15	حکیم مومن خاں مومنؔ	وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو	148
16	نواب مرزا خاں داغؔ	خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا	154
		مثنوی	
17	میر غلام حسنؔ	(i) بے نظیر کے غائب ہونے پر ماتم (ii) بے نظیر کے نہ ہونے پر باغ کی ویرانی (iii) نجم النِّسا جوگن بنتی ہے (iv) نجم النِّسا کا جنگل میں بین بجانا	163
		رباعی	
18	میر ببر علی انیسؔ	(i) دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی (ii) مرمر کے مسافر بسایا ہے تجھے	175

180	(i) ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا (ii) بلبل نے چمن میں ہم زبانی چھوڑی	خواجہ الطاف حسین حالؔی	19
	ضمیمہ		
187	علم ہجا، علم صرف، علم نحو، اوقاف، عروض، جنس، تعداد، متضاد	قواعد	21
197	داستان، ناول، سوانح	اصناف نثر	22
201	ذاتی خطوط، کاروباری خطوط، سرکاری خطوط، رسمی خطوط، خط کا خاکہ، پڑھائی کے اخراجات کے لیے خط، تعزیتی خط، والد کے نام خط امتحان کی تیاری سے متعلق، پرنسپل کے نام فیس معافی کی درخواست	خطوط نگاری	23
209	میرا اسکول، برسات کا موسم، یومِ آزادی، محرم، عزیز دوست، آن لائن کلاس	مضمون نگاری	24
219	لڑکیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا	غیر درسی اقتباس کا خلاصہ	25

اردو نصاب

درجہ: نویں جماعت　　　　　　　　　　　　مجموعی نمبرات: **100**

نوٹ: اس نصاب میں 70 نمبر کا تحریری امتحان ہوگا جس کے اوّل حصّے میں 20 نمبر کا کثیر الجواب پر مبنی سوالات ہوں گے اور دوسرے حصّے میں 50 نمبر کا مختصر ترین، مختصر اور تفصیلی سوالات ہوں گے جبکہ 30 نمبر کا اندرونی تجزیہ اسکولی سطح پر کیا جائے گا۔

حِصّہ (الف)

(1) قواعد اور اس کا استعمال:

قواعد کے صرف انھیں عناصر پر زور دیا جائے گا جو زبان کے عملی معلومات اور اس کے آپسی بات چیت و تحریر میں استعمال ہو۔ قواعد کی تدریس ایک مضمون کی حیثیت سے ضروری نہیں ہے۔ لیکن طالب علموں کو جماعت میں اسباق کی تدریس کے وقت زبان میں قواعد کی اہمیت اور اس کے صحیح استعمال کی معلومات کے ساتھ ساتھ اس کے تراجم اور تنظیم کی صحیح تدریس کرانی چاہیے۔

(2) نظم

(غزل، مثنوی، رباعی)

(3) تشکیل

(الف) مضمون نگاری (عام دلچسپی کے عنوانات پر)

(ب) خط نویسی (ذاتی خط اور درخواست 150 الفاظ پر مشتمل)

(4) غیر درسی معلومات (150 الفاظ تک)

حِصّہ (ب)

حِصّۂ نثر

الف۔ مندرجہ ذیل ادیبوں اور ان کی نگارشات کی تدریس کی جانی ہے۔

(1) میر امّنؔ - سیر چوتھے درویش کی

(2) غالبؔ (خطوط)

(i) مرزا علاؤالدین خاں علائی کے نام

(ii) میر مہدی مجروحؔ کے نام

(iii) منشی ہرگوپال تفتہؔ کے نام

(3) سر سید احمد خاں - بحث و تکرار

(4) محمد حسین آزاد (i) مرزا مظہر جانِ جاناں

(ii) سید محمد میر سوزؔ

(5) الطاف حسین حالؔی – مرزا غالبؔ کے حالات

(6) ڈپٹی نذیر احمد – فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

(7) رتن ناتھ سرشارؔ (i) مہری کا سراپا

(ii) ریل کا سفر

(ب) نصاب میں شامل ادیبوں کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات کے بارے میں۔

حصّۂ نظم

(الف) مندرجہ ذیل شاعروں اور ان کے کلام کی تدریس کی جاتی ہے۔

غزل (1) ولؔی دکنی – آج دِستا ہے حال کچھ کا کچھ

(2) سوداؔ – جو گزری مجھ پر مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا

(3) میر تقی میرؔ – (i) الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

(ii) ہستی اپنی حباب کی سی ہے

(4) دردؔ – (i) جی میں ہے سیرِ عدم کیجیے گا

(ii) تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا

(5) آتشؔ – بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں

(6) ذوقؔ – اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا

(7) غالبؔ (i) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا

(ii) ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے

(8) مومنؔ وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(9) داغؔ خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا

مثنوی

میر حسنؔ بے نظیر کے غائب ہونے پر ماتم............نجم النساء کا جنگل میں بین بجانا

رباعی

میر انیسؔ اور حالیؔ

(ب) متعین شعراء کے حالاتِ زندگی اور ادب میں ان کی خدمات کے بارے میں معلومات۔

اندرونی تجزیہ

تعلیمی سال میں ہر دوسرے مہینے میں (آخری ہفتہ میں)

پہلا: اگست مہینے میں **10** نمبر پڑھنا (آپسی گفتگو، تقریر، خیالات کا اظہار)

دوسرا: اکتوبر مہینے میں **10** نمبر قواعد سے متعلق

تیسرا: دسمبر مہینے میں **10** نمبر تخلیقی (ڈرامہ، کہانی، ذاتی خط نویسی وغیرہ)

سبق (1) میر امّن

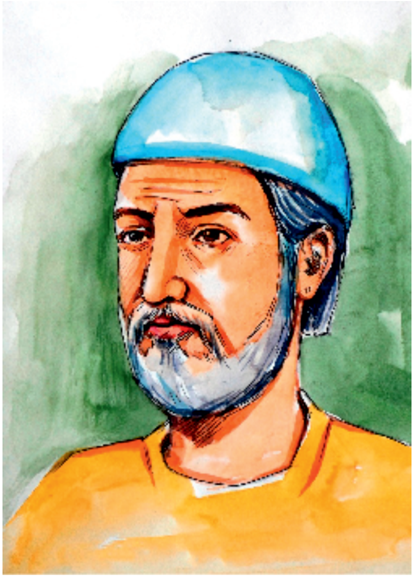

مختصر سوانح

(1) نام : میر امّن

(2) تخلص : لطفؔ

(3) ولادت : **1750**ء کے آس پاس

(5) وفات : نامعلوم

(6) مشہور تصانیف: باغ و بہار، گنجِ خوبی۔

میر امن دہلی میں پیدا ہوئے۔ سنہ ءپیدائش کے تعلق سے علمائے ادب کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض محققین نے **1750**ء کے آس پاس تسلیم کیا ہے۔ احمد شاہ درّانی کے حملے کے بعد ان کے اہل وعیال دہلی سے عظیم آباد آ گئے۔ تلاشِ معاش کے سلسلے میں انھوں نے عظیم آباد سے کلکتہ کا سفر کیا۔ میر بہادر علی حُسینی کے توسط سے وہ فورٹ ولیم کالج کے صدر ڈاکٹر جان گل کرسٹ سے ملے اور وہیں ملازم ہوگئے۔ وہیں اُنھوں نے قصّۂ چہار درویش کا باغ و بہار اور اخلاق محسنی کا ترجمہ گنج خوبی کے نام سے کیا۔ باغ و بہار کو اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر چہ یہ کتاب ترجمہ ہے، لیکن اس پر تخلیق کا گمان گزرتا ہے۔ اس کی نثر کو اردو کی زندہ نثر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

میر امَّن کی باغ و بہار **1802**ء میں تکمیل کو پہنچی اور **1803**ء میں پہلی مرتبہ کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا تعلق صنف داستان سے ہے۔اس کے قصوں میں ربط و تسلسل اور زبان میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب جہاں ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتی ہے وہیں اس میں تصوف اور اخلاقیات کے عناصر بھی موجود ہیں۔

باغ و بہار دبستان دہلی کی نمائندہ کتاب ہے۔اس میں دہلی کی زبان کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے۔اس میں دہلی کے روزمرّہ اور محاوروں کا استعمال بڑے حسن وخوبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

باغ و بہار کا نام آتے ہی میر امّن کا اسلوب نگارش ذہن نشین ہو جاتا ہے۔اس میں بیان کی دلکشی اور زبان کی صفائی کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے۔اس کا انداز بیان اتنا دلچسپ ہے کہ قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔

نصاب میں شامل سبق ''سیر چوتھے درویش کی'' ان کے اسی مشہور داستان باغ و بہار سے اخذ کیا گیا ہے۔

سیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنی سیر کی حقیقت روبرو اس طرح دہرانے لگا ؎

قصّہ ہماری بے سَر و پائی کا اب سنو
ٹک اپنا دھیان رکھ کے مرا حال سب سنو
کس واسطے میں آیا ہوں یاں تک تباہ ہو
سارا بیان کرتا ہوں اُس کا سبب سنو

یا مرشدَاللہ! ذرا متوجہّ ہو۔ یہ فقیر، جو اس حالت میں گرفتار ہے، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ ناز و نعمت سے پرورش پائی اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے برے سے کچھ واقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ یوں ہی ہمیشہ نبھے گی۔ عین بے فکری میں یہ حادثہ روبکار ہوا، قبلۂ عالم، جو والد اس یتیم کے تھے، انھوں نے رحلت فرمائی۔ جان کندنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو، جو میرے چچا ہیں، بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تو سب مال ملک چھوڑ کر، ارادہ کوچ کا کیا، لیکن یہ وصیّت میری تم بجالائیو اور بزرگی کو کام فرمائیو۔ جب تلک شہزادہ، جو مالک اس تخت و چھتّر کا ہے، جوان ہو اور شعور سنبھالے اور اپنا گھر دیکھے بھالے، تم اس کی نیابت کیجو اور سپاہ و رعیّت کو خراب نہ ہونے دیجو۔ جب وہ بالغ ہو، اس کو سب کچھ سمجھا بجھا کر تخت حوالے کرنا اور روشن اختر جو تمھاری بیٹی

ہے،اس سے شادی کر کے،تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔اس سلوک سے بادشاہت ہمارے خاندان میں قائم رہے گی، کچھ خلل نہ آوے گا۔ یہ کہہ کرآپ تو جاں بحق تسلیم ہوئے، چچا بادشاہ ہوا،اور بندوبست ملک کا کرنے لگا۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے۔ جب تک جوان نہ ہو، باہر نہ نکلے۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا اور کھیلا کودا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سن کر شاد تھا۔اور اس اُمّید پر بے فکر رہتا اور دل میں کہتا کہ اب کوئی دن میں بادشاہت بھی ہاتھ لگے گی اور کتخدائی بھی ہوگی، دنیا بہ اُمّید قائم ہے۔ ایک حبشی مبارک نام کہ والدِ مرحوم کی خدمت میں تربیت ہوا تھا اور اس کا بڑا اعتبار تھا اور صاحبِ شعور اور نمک حلال تھا، میں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا۔وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا کہ الحمدللہ! اے شاہزادے، اب تم جوان ہوئے۔انشاءاللہ تعالیٰ عنقریب تمھارا عمو ظلِّ سُبحانی کی نصیحت پر عمل کرے گا۔اپنی بیٹی اور تمھارے والد کا تخت تمھیں دے گا۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنیٰ سہیلی نے بے گناہ میرے تئیں ایسا طمانچہ کھینچ کر مارا کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کا نشان اُکھڑ آیا۔ میں روتا ہوا مبارک کے پاس گیا۔اس نے مجھے گلے سے لگالیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا کہ چلو آج تمھیں بادشاہ پاس لے چلوں۔شاید دیکھ کر مہربان ہو اور لائق سمجھ کر، تمھارا حق تمھیں دے۔اسی وقت چچا کے حضور میں لے گیا۔ چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی اور پوچھا کہ کیوں دل گیر ہو اور آج یہاں کیوں کر آئے؟ مبارک بولا کہ کچھ عرض کرنے آئے ہیں۔ یہ سن کر خود بخود کہنے لگا کہ اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں۔ مبارک نے کہا: بہت مبارک ہے۔ وونہیں نُجومی اور رمّالوں کو روبرو طلب کیا اور اوپری دل سے پوچھا کہ اس سال کون سا مہینہ اور کون سا دن اور گھڑی مہورت مبارک ہے کہ سرانجام شادی کا کروں؟ انھوں نے مرضی پاکر، گِن گِنا کر عرض کی کہ قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ

سعد نہیں ٹھہرتی۔ اگر یہ سال تمام بہ خیر و عافیت کٹے، تو آیندہ کارِ خیر کے لیے بہتر ہے۔

بادشاہ نے مبارک کی طرف دیکھا اور کہا کہ شاہزادے کو محل میں لے جا۔ خدا چاہے تو اس سال کے گزرنے سے اُس کی امانت اس کے حوالے کر دوں گا، خاطر جمع رکھّے اور پڑھے لکھے۔ مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا، محل میں پہنچا دیا۔ دو تین دن کے بعد میں مبارک کے پاس گیا، مجھے دیکھتے ہی رونے لگا۔ میں حیران ہوا اور پوچھا کہ دادا! خیر تو ہے، تمھارے رونے کا کیا باعث ہے؟ تب وہ خیر خواہ کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا، بولا کہ میں اُس روز تمھیں اس ظالم کے پاس لے گیا۔ کاش کے، اگر یہ جانتا تو نہ لے جاتا۔ میں نے گھبرا کر کہا: میرے جانے میں کیا ایسی قباحت ہوئی؟ کہو تو صحیح۔ تب اس نے کہا کہ سب امیر اور وزیر، ارکانِ دولت چھوٹے بڑے تمھارے باپ کے وقت کے، تمھیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے کہ اب ہمارا صاحب زادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لائق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حق دار کو ملے گا، تب ہماری قدر دانی کرے گا اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا۔ یہ خبر اُس بے ایمان کو پہنچی۔ اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔ مجھے خلوَت میں بلا کر کہا: اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسی فریب سے مار ڈال اور اس کا خطرہ میرے جی سے نکال، جو میری خاطر جمع ہو۔ تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں، کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا۔ جو نہیں مبارک سے یہ خبرِ نامبارک میں نے سنی، بغیر مارے مر گیا اور جان کے ڈر سے اس کے پاؤں پر گر پڑا، کہ واسطے خدا کے! میں سلطنت سے گزرا، کسو طرح میرا جی بچے۔ اُس غلامِ باوفا نے میرا سِر اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا، اور جواب دیا کہ کچھ خطرہ نہیں۔ ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے، اگر راست آئی تو کچھ پرواہ نہیں۔ زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

اَغلَب ہے کہ اُس فکر سے تیری جان بھی بچے، اور اپنے مطلب سے کام یاب ہو۔ یہ بھروسا دے کر،

مجھے ساتھ لے کر، اس جگہ جہاں بادشاہِ مغفور، یعنی والد اِس فقیر کے، سوتے بیٹھتے تھے، گیا اور میری بہت خاطر جمع کی۔ وہاں ایک گرسی بچھی تھی، ایک طرف مجھے کہا اور ایک طرف آپ پکڑ کر صندلی کو سرکایا۔ اور گرسی کے قلّے کا فرش اٹھایا، اور زمین کو کھودنے لگا۔ ایک بارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قُفل اس میں لگا ہے۔ مجھے بلایا۔ میں اپنے دل میں مُقرّر سمجھا کہ میرے ذِبُح کرنے اور گاڑ دینے کو یہ گڑھا اِس نے کھودا ہے۔ موت آنکھوں کے آگے پھر گئی۔ لاچار چُپکے چُپکے کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا۔ دیکھتا ہوں تو اُس دریچے کے اندر عمارت ہے اور چار مکان ہیں۔ ہر ایک دالان میں دس دس خُمیں سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی لٹکتی ہیں۔ اور ہر ایک گولی کے مُنھ پر ایک سونے کی اینٹ، اور ایک بندر جڑاو کا بنا ہوا بیٹھا ہے۔ انتالیس گولیاں چاروں مکان میں گنیں اور ایک خم کو دیکھا کہ مونہا منھ اشرفیاں بھری ہیں، اُس پر نہ میمون ہے نہ خِشت ہے اور ایک حوض جواہر سے لبالب بھرا ہوا دیکھا۔ میں نے مبارک سے پوچھا کہ اے دادا! یہ کیا طلسم ہے، اور کس کا مکان ہے، اور یہ کس کام کے ہیں؟ بولا کہ یہ بوزِنے جو دیکھتے ہو، اِن کا یہ ماجرا ہے کہ تمھارے باپ نے جوانی کے وقت سے ملک صادق، جو بادشاہ جنوں کا ہے، اس کے ساتھ دوستی اور آمدورفت پیدا کی تھی۔

چناں چہ ہر سال میں ایک دفعہ کئی طرح کے تحفے خوشبوئیں اور اس ملک کی سوغاتیں لے جاتے، اور ایک مہینے کے قریب اس کی خدمت میں رہتے۔ جب رخصت ہوتے، تو مَلِک صادق ایک بندر زمُرّد کا دیتا۔ ہمارا بادشاہ اسے لاکر اِس تہہ خانے میں رکھتا۔ اِس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مطّلع نہ تھا۔ ایک مرتبہ غلام نے عرض کی کہ جہاں پناہ لاکھوں روپے کے تحفے لے جاتے ہیں اور وہاں سے ایک بوزنہ پتھر کا مردہ آپ لے آتے ہیں، اس کا آخر فائدہ کیا ہے؟ جواب میری اس بات کا مسکرا کر فرمایا: خبردار، کہیں ظاہر نہ کیجو، خبر شرط ہے۔ یہ ایک ایک میمونِ بے جان جو تو دیکھتا ہے، ہر ایک کے ہزار دیوِ زَبردست تابع اور فرماں بردار ہیں۔ لیکن

جب تلک میرے پاس چالیسوں بندر پورے جمع نہ ہوویں، تب تک یہ سب نکمّے ہیں، کچھ کام نہ آویں گے۔ سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اُسی برس پادشاہ نے وفات پائی۔

اتنی محنت کچھ نیگ نہ لگی، اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا۔ اے شاہزادے! تیری یہ حالت بے کسی کی دیکھ کر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا، کسو طرح تجھ کو ملک صادق کے پاس لے چلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں۔ غالب ہے کہ وہ دوستی تمھارے باپ کی یاد کر کر، ایک بوزِنہ جو باقی ہے، تجھے دے۔ تب ان کی مدد سے تیرا ملک تیرے ہاتھ آوے۔ اور چین ماچین کی سلطنت تو بہ خاطر جمع کرے۔ اور بالفعل اِس حرکت سے تیری جان بچتی ہے۔ اگر اور کچھ نہ ہو، تو اس ظالم کے ہاتھ سے سوائے اسی تدبیر کے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی۔ میں نے اس کی زبانی یہ سب کیفیت سن کر کہا کہ دادا جان! اب تو میری جان کا مختار ہے۔ جو میرے حق میں بھلا ہو، سو کر۔ میری تسلّی کر کے آپ عطر اور بخور اور جو کچھ وہاں کے لے جانے کی خاطر مناسب جانا، خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اس کافر چچا کے پاس، جو بجائے ابوجہل کے تھا، گیا اور کہا: جہاں پناہ! شہزادے کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ہے، اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ وہ کم بخت خوش ہو کر بولا: وہ کیا تدبیر ہے؟ تب مبارک نے کہا کہ اس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے۔ مگر میں اسے باہر جنگل میں لے جا کر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ داب کر چلا آؤں۔ ہرگز کوئی محرم نہ ہو گا کہ کیا ہوا۔ یہ بندش مبارک سے سن کر بولا کہ بہت مبارک۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سلامت نہ رہے۔ اس کا دغدغہ میرے دل میں ہے۔ اگر مجھے اس فکر سے تو چھڑا دے گا، تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پاوے گا۔ جہاں تیرا جی چاہے لے جا کر کھپا دے اور مجھے یہ خوش خبری لا دے۔

مبارک نے بادشاہ کی طرف سے اپنی دل جمعی کر کے مجھے ساتھ لیا اور وے تحفے لے کر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا اور اُتّر کی سَمت چلا۔ ایک مہینے تلک پیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک بولا کہ شکر خدا کا، اب منزلِ مقصود کو پہنچے۔ میں نے سن کر کہا کہ دادا! یہ تو نے کیا کہا؟ کہنے لگا: اے شہزادے! جِنوں کا لشکر کیا نہیں دیکھتا؟ میں نے کہا: مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مبارک نے ایک سرمے دانی نکال کر ،سلیمانی سرمے کی سلائیاں میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں۔ وونہیں جِنوں کی خلقت اور لشکر کے تنبو قنات نظر آنے لگے۔ لیکن سب خوش رُو اور خوش لباس۔ مبارک کو پہچان کر، ہر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملتا اور مزاحیں کرتا۔

آخر جاتے جاتے بادشاہی سراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ہوئے۔ دیکھتا ہوں تو روشنی قرینے سے روشن ہے۔ اور صندلیاں طرح بہ طرح کی دورُویہ بچھی ہیں، اور عالم، فاضل، درویش اور امیر، وزیر، میر بخشی، دیوان، اُن پر بیٹھے ہیں اور یَساوُل، گُرز بردار، اَحدی، چیلے، ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اور درمیان میں ایک تخت مُرصّع کار بچھا ہے، اُس پر مَلِک صادق تاج اور چار قُب موتیوں کی پہنے ہوئے، مسند پر تکیے لگائے بڑی شان وشوکت سے بیٹھا ہے۔ میں نے نزدیک جا کر سلام کیا۔ مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا۔ پھر کھانے کا چرچا ہوا۔ بعد فراغت کے دستر خوان بڑھایا گیا۔ تب مبارک کی طرف متوجّہ ہو کر احوال میرا پوچھا۔ مبارک نے کہا کہ اب ان کے باپ کی جگہ پر چچا اِن کا بادشاہت کرتا ہے، اور ان کا دشمنِ جانی ہوا ہے، اس لیے میں انھیں وہاں سے لے بھاگ کر، آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں اور سلطنت اِن کا حق ہے۔ لیکن بغیر مُربّی کسو سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ حضور کی دست گیری کے باعث اِس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے۔ اِن کے باپ کی خدمت کا حق یاد کر کے، ان کی مدد فرمائیے۔ اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجیے، جو چالیسوں پورے

ہوں۔اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر، تمھارے جان و مال کو دُعا دیں۔سوائے صاحب کی پناہ کے کوئی اِن کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

یہ تمام کیفیت سن کر صادق نے تاَمُّل کر کے کہا کہ واقعی حقوقِ خدمت اور دوستی بادشاہِ مغفور کے ہمارے اوپر بہت تھے۔اور یہ بچارا تباہ ہوکر، اپنی سلطنتِ موروثی چھوڑ کر، جان بچانے کے واسطے یہاں تلک آیا ہے اور ہمارے دامنِ دولت میں پناہ لی ہے۔تا مقدور کسو طرح ہم سے کمی نہ ہوگی اور در گُذر نہ کروں گا۔ لیکن ایک کام ہمارا ہے، اگر وہ اس سے ہوسکا اور خیانت نہ کی اور بخوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اُترا تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ زیادہ بادشاہ سے سلوک کروں گا، اور جو یہ چاہے گا سو دوں گا۔

معنی اور اشارے:

یا مُرشدَاللہ = (مُرشِد: ہدایت دینے والا) پرانے زمانے میں درویش ایک دوسرے کو ''یا مُرشداللہ'' کہہ کر پکارتے تھے۔

چھتّر = چَتُر: وہ چھتری جو بادشاہوں کے سر پر ہوتی ہے۔

نیابت کرنا = کسی شخص کی جگہ پر کام کرنا۔

عَموُ = چچا۔ عربی میں ''عم'' ہے، عم سے عمو بنا ہے۔ جیسے ''ابا'' سے ''ابوّ''۔

رَمّال = رَمَل کے ذریعے آئندہ کی خبر دینے والا۔ (رمل میں زمین پر لکیریں کھینچ کر آئندہ کا حال معلوم کرتے ہیں۔)

چاند = مہینہ

صندلی = کرسی

نمود ہوئی = ظاہر ہوئی

مُقرّر = یقیناً

جڑاؤ کا بنا ہوا = جس پر قیمتی پتّھر اور نگینے جڑے ہوئے ہوں۔

میمون = بندر

بوزنے = (''بوزنہ'' کی جمع) بندر

دغدغہ = خوف

نیگ نہ لگی = کسی کام نہ آئی

اغلب = زیادہ غالب، یقین کے قریب

بخوز = سُلگائی جانے والی خوشبو، جیسے لوبان یا اگربتّی

بندش = ترکیب، چال

کھپانا = مارڈالنا

سُلیمانی سُرمہ = ایک فرضی سرمہ، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کو آنکھ میں لگانے سے جنات اور پریاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

مزاخیں کرتا = ہنسی مذاق کی باتیں کرتا۔

یساوُل = گُھڑسوار، چوبدار، قاصد، ہرکارہ

اَحَدی = وہ سپاہی جس کی کوئی خاص ڈیوٹی نہ ہو۔

چارقُب = بادشاہوں کے پہننے کا لباس جسے مغل بادشاہ استعمال کرتے تھے۔

صاحب = مالک، آقا

تأمُّل کرکے = غور کرکے

سلوک کرنا = اچّھا برتاؤ کرنا

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions)

(1) میر امّن کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دلّی
(b) ممبئی
(c) سورت
(d) کلکتہ

(2) میر امّن کی مشہور کتاب کون سی ہے؟

(a) فسانۂ عجائب
(b) تہذیب الاخلاق
(c) باغ و بہار
(d) گئودان

(3) میر امّن نے فارسی کی کس مشہور کتاب کا اردو میں ترجمہ باغ و بہار کے نام سے کیا؟

(a) قصۂ چہار درویش
(b) داستان امیر حمزہ
(c) توبتہ النصوح
(d) فسانۂ عجائب

(4) میر امّن کی کتاب "باغ و بہار" کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

(a) نثر کی سادگی اور سلاست
(b) مشکل اسلوب نگارش
(c) رنگین و پیچیدہ عبارت
(d) مقفّیٰ و مسجّع عبارت

(5) ''باغ و بہار'' کا کون سا حِصّہ آپ کے نصاب میں شامل ہے؟

(a) سیر پہلے درویش کی (b) سیر چوتھے درویش کی

(c) سیر تیسرے درویش کی (d) سیر دوسرے درویش کی

(6) فورٹ ولیم کالج میں میر امّن نے کس کے توسط سے جان گل کرسٹ سے ملاقات کی؟

(a) بہادر علی حسینی (b) للولال

(c) شیر علی افسوس (d) حیدر بخش حیدری

(7) ''قصہ ہماری بے سروپائی کا اب سنو'' یہ مصرع کس سبق سے ماخوذ ہے؟

(a) سیر چوتھے درویش کی (b) کربل کتھا

(c) فسانۂ عجائب (d) کوئی نہیں

(8) چوتھا درویش کس ملک کے بادشاہ کا بیٹا تھا؟

(a) یمن (b) چین

(c) دمشق (d) عرب

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) باغ و بہار کی خصوصیات بیان کیجیے؟

(2) سبق ''سیر چوتھے درویش کی'' کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے؟

(3) داستان کسے کہتے ہیں؟ کوئی دو داستانوں کے نام لکھیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح اپنی زبان میں کیجیے:

’’یا مرشدَ اللہ! ذرا متوجہ ہو۔ یہ فقیر جو اس حالت میں گرفتار ہے، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ ناز ونعمت سے پرورش پائی اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے برے سے کچھ واقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ یونہیں ہمیشہ نبھے گی۔ عین بے فکری میں حادثہ روبکار ہوا، قبلۂ عالم، جو والد اس یتیم کے تھے، انھوں نے رحلت فرمائی۔‘‘

سبق (2) مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

مختصر سوانح

(1) نام : مرزا اسد اللہ خاں

(2) تخلص : غالبؔ

(3) وطن : دہلی

(4) ولادت : آگرہ 1797ء

(5) وفات : دہلی 1869ء

(6) مشہور تصانیف : دیوانِ غالبؔ، دستنبو، عودِ ہندی، اردوئے معلّٰی وغیرہ۔

غالبؔ اردو کے بلند پایہ شاعر و ادیب ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کی شاعری فلسفہ و حکمت سے لبریز ہے بلکہ ان کی نثر خصوصاً خطوط بھی ان کے فکر و خیال اور ان کی ذاتی زندگی کے ترجمان ہیں۔ سادہ اور سلیس زبان، برجستہ اور بے تکلف انداز، شوخی و ظرافت اور روانی و شگفتگی غالب کے خطوط کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ان کی ادبی شخصیت کا جوہر ان کی نثر میں بھی کھلتا ہے جس کی نمائندگی ان کی خطوط نگاری کرتی ہے۔

غالبؔ کے عہد میں تعلیم یافتہ اور شرفا فارسی زبان میں خط و کتابت کرتے تھے۔ غالبؔ نے بھی فارسی

میں خطوط لکھے، لیکن **1846**ء کے قریب انھوں نے اردو میں خطوط نگاری کا آغاز کیا اور اس میں ایک نیا انداز اختیار کیا۔ روایتی طریقۂ تحریر کی جگہ غیر رسمی اور بے تکلف انداز اپنایا۔ لمبے لمبے القاب و آداب کے بجائے مختصر سے مختصر القاب کا استعمال کیا۔ وہ کہیں کہیں براہِ راست گفتگو سے ہی خط کی ابتدا کر دیتے ہیں۔ آسان اور محاوراتی زبان میں ان کی ذاتی زندگی اور ذہنی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ مراسلے میں مکالماتی انداز ان کے خطوط کا امتیازی پہلو ہے۔ غالب خود فرماتے ہیں کہ ''میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مُراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔''

یقیناً غالبؔ کے مکتوب الیہ کو ہجر کی کیفیت کے بجائے وصال کا احساس ہوتا رہا ہوگا۔ غالبؔ کے زمانے کی دہلی الجھن اور کشمکش سے دوچار تھی، یہی کشمکش غالب کی زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔ غالبؔ کے خطوط میں دہلی اور ان کی ذاتی زندگی دونوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ صرف اندازِ بیان کی سطح پر غالب کے خطوط منفرد ہیں بلکہ مواد کی سطح پر بھی ان کے خطوط میں دہلی کے حالات، تاریخ اور ان کی ذہنی کیفیت اور فکر و فلسفہ کے عناصر بھی موجود ہیں۔ اردوئے معلّٰی اور عودِ ہندی غالب کے خطوط کے مجموعے ہیں۔

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

(خطوط)

مرزا علاء الدین احمد خاں علائیؔ کے نام:

جانِ غالب!

یاد آتا ہے کہ تمھارے عمِّ نامدار سے سنا تھا کہ لغات ''دساتیر'' کی فرہنگ وہاں ہے۔ اگر ہوتی تو کیوں نہ بھیج دیتے؟ خیر:

آنچہ ما در کار داریم اکثرے در کار نیست

تم ثمرِ نورس ہو اس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے اور میں ہوا خواہ و سایہ نشیں اس نہال کا رہا ہوں۔ کیوں کر تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے؟ رہی دید وادید، اس کی دو صورتیں ہیں: تم دلی میں آؤ یا میں لوہارو آؤں، تم مجبور، میں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو، جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے۔

سنو، عالم دو ہیں: ایک عالمِ ارواح اور ایک عالمِ آب و گِل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے، جو خود فرماتا ہے: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْم اور پھر آپ جواب دیتا ہے تو لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار ''ہر چند قاعدۂ عام یہ

ہے کہ عالمِ آب وگل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چناں چہ میں آٹھویں رجب **1212** ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ **7** رجب **1225** ھ کو میرے واسطے حکمِ دوامِ حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا۔ فکر نظم و نثر کو مُشقّت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانہ سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے، پھر اسی محبَس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے، دو ہتھکڑیاں اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار، ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار۔ مشقتِ مقرّری اور مشکل ہوگئی۔ طاقت یک قلم زائل ہوگئی۔ بے حیا ہوں۔ سال گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زنداں میں چھوڑ مع دونوں ہتھکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ اور نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں گا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکمِ رہائی دیکھیے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسی ماہ ذی الحجہ **1277** ھ میں چھوٹ جاؤں۔ بہرِ تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا۔

یکم جنوری **1860** ء

غالب

میر مہدی مجروح کے نام

اہاہاہا! میرا پیارا میر مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچّھا ہے؟ بیٹھو، یہ رام پور ہے، دارالسّرور ہے۔ جو

لطف یہاں ہے، وہ اور کہاں ہے؟ پانی، سبحان اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے، بے شبہ چشمۂ آبِ حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر، اگر یوں بھی ہے تو بھائی، آب حیات عمر بڑھاتا ہے، لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا؟

تمھارا خط پہنچا تردّد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک مُنشی میرا دوست۔ نہ عُرف لکھنے کی حاجت، نہ محلے کی حاجت۔ بے وسواس خط بھیج دیا کیجیے اور جواب لیا کیجیے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے۔ اس وقت تک مہمان ہوں۔ دیکھوں، کیا ہوتا ہے تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

فروری **1860**ء

غالب

منشی ہرگوپال تفتہؔ کے نام

کیوں مرزا تفتہ، تم بے وفایا میں گنہہ گار؟ یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں کہ تم کہاں ہو؟ ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے۔ تقریباً تمھارا ذکر درمیان آیا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ خط کول بھیجوں یا سکندر آباد! اگر کول بھیجوں تو مسکن کا پتا کیا لکھوں؟ بہر حال سکندر آباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے۔ تمھارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجا امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتا بتا کر وہاں بھجوا دیا۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سُنتا ہوں کہ وہ متھرا اور اکبر آباد کی

طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے ہیں۔ بہر حال اس خط کا جواب جلد لکھواور ضرور لکھو۔ بھائی تم سیّاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو، مجھ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمھارے خط کے نہ آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے۔ میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے؟

محررہ یک شنبہ **27** مارچ **1859**ء

غالب

معنی اوراشارے:

عالم ارواح	=	روح کی دینا
عالم آب وگل	=	دنیا
زنداں	=	قیدخانہ
فگار	=	پھٹنا
ضعیف	=	کمزور
احتمال	=	اندیشہ
تعظیم وتوقیر	=	عزت واحترام
دقیقہ	=	راز کی بات
فروگزاشت	=	بھولنا، چوکنا
مسکن	=	رہنے کی جگہ
سیّاح	=	سیاحت کرنے والا، سیر کرنے والا
اوہام	=	وہم کی جمع
توقع	=	اُمّید
ملحد	=	بے دین

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) شاعری کے علاوہ غالبؔ کس صنف میں مشہور تھے؟

(a) خطوط نگاری (b) ناول نگاری

(c) انشائیہ نگاری (d) افسانہ نگاری

(2) نصاب میں شامل سبق میر مہدی مجروح کے نام لکھے گئے خط میں غالب نے کس شہر کی تعریف کی ہے؟

(a) کلکتہ (b) رام پور

(c) دہلی (d) آگرہ

(3) غالبؔ کا مسکن کہاں تھا؟

(a) لکھنؤ (b) دہلی

(c) رام پور (d) کلکتہ

(4) غالبؔ نے اردو میں خط لکھنا کب سے شروع کیا؟

(a) 1858ء (b) 1870ء

(c) 1846ء (d) 1857ء

(5) غالبؔ نے اپنے خطوط میں کس زبان کے الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا ہے؟

(a) ہندی (b) انگیزی

(c) عربی فارسی (d) سنسکرت

مختصر ترین سوالات (Very short type questions) :

(1) غالبؔ کی شادی کس عمر میں ہوئی ؟

(2) میر مہدی مجروح کے نام لکھے گئے خط میں غالبؔ نے کس دریا کا ذکر کیا ہے؟

(3) غالبؔ نے سیاح آدمی کسے کہا ہے؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) غالبؔ نے اپنے خطوط میں کیسی زبان استعمال کی ہے؟

(2) غالبؔ نے اپنے خطوط کے ذریعہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے، اس کی وضاحت کیجیے؟

(3) غالبؔ نے کن شہروں کا سفر کیا ؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) خطوط غالبؔ کی خوبیاں بیان کیجیے؟

(2) مرزا علاءُالدّین احمد علائیؔ کے نام لکھے گیے خط میں غالبؔ کی زندگی کے بارے میں ہمیں کیا پتہ چلتا ہے؟

سبق (3) سرسید احمد خاں

مختصر سوانح

(1) نام : سرسیّد احمد خاں

(2) وطن : دہلی

(3) ولادت : 1817ء دہلی

(4) وفات : 1898ء علی گڑھ

(5) تصانیف : آثارُالصنادید، خطباتِ احمدیہ، تفسیر القرآن وغیرہ

(6) خطاب : انگریزی حکومت نے 1878ء میں سر کا خطاب دیا۔

سرسیّد احمد خاں کی پیدائش 1817ء میں دلّی میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام میر متقی تھا۔ ان کا خاندان مغلیہ دربار سے وابستہ تھا۔ سرسید کی والدہ عزیز النسا نہایت مہذّب خاتون تھیں۔ سرسیّد کی زندگی پر ان کی تربیت کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اس وقت دہلی میں بڑے بڑے عالم موجود تھے جن سے سرسید نے علم حاصل کیا۔ ان عالموں میں ان کے نانا فریدالدین احمد خاں کا نام اہم ہے۔

اپنے والد کی وفات کے بعد انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں بطور کلرک ملازمت اختیار کر لی اور اپنی

صلاحیت سے جلدی ترقی پا کر جج کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ انگریزی حکومت کی ملازمت کے دوران ہی **1862**ء میں غازی پور میں انھوں نے ''سائنٹفک سوسائٹی'' قائم کی، جس کا مقصد مغربی زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ **1870**ء میں انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔ اس رسالے کے ذریعے انھوں نے اردو میں مختصر مضمون نگاری کی بنیاد رکھی۔ **1875**ء میں انھوں نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا جو **1920**ء میں یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا اور آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ **1878**ء میں انگریزی حکومت نے سرسید کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ''سر'' کے خطاب سے نوازا جو آگے چل کر ان کے نام کا ضروری حصّہ بن گیا۔ عمر کے آخری دور تک وہ ملک و قوم کی خدمت اور علی گڑھ کالج کی تکمیل میں لگے رہے۔ **1898**ء میں علی گڑھ میں ان کا انتقال ہوا۔

سرسیّد نے اپنی پوری زندگی قوم کی خدمت میں صرف کی۔ وہ مسلمانوں کو تعلیمی اور سماجی پستی سے باہر نکال کر جدید سائنسی علوم سے واقف کرانا چاہتے تھے۔ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ تاعمر کوشش کرتے رہے اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ان کی اسی کوشش کا نتیجہ تھا۔

سرسید کو تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا۔ اپنی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے علاوہ انھوں نے بہت ساری کتابیں بھی تصنیف و تالیف کیں۔ جن میں آثار الصنادید، اسبابِ بغاوتِ ہند' خطباتِ احمدیہ'، 'تفسیر القرآن' اور 'سفرلندن' وغیرہ اہم ہیں۔

سرسید کو جدید اردو نثر کا بانی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اردو نثر کو تصنع اور تکلف سے نجات دلائی اور اس میں سادگی، بے تکلفی اور حقیقت کو جگہ دی۔

مضمون ''بحث و تکرار'' سرسید کے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' سے لیا گیا ہے۔ اِس مضمون میں انھوں نے غیر مہذّب لوگوں کی مجلس کی مثال کتّوں کی مجلس سے دیتے ہوئے شائستہ اور مہذب انداز میں گفتگو کرنے کے آداب بتائے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے اختلاف رائے ہونے پر تکرار نہ کرتے ہوئے بات کو شگفتہ ماحول میں ختم کر دینے کی تعلیم بھی دی ہے۔

بحث وتکرار

جب کُتّے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں، پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز ان کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے، پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے، پھر باچھیں چِر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے، ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں مُنھ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور ''عنیف'' آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کے گلے میں اور اس کی ٹانگ اس کی کمر میں، اس کا کان اس کے منھ میں اور اس کا ٹینٹوا اس کے جبڑے میں، اس نے اس کو کاٹا اور اس نے اس کو پچھاڑ کر بھنبھوڑا، جو کمزور رہا وہ دُم دبا کر بھاگ نکلا۔

نامُہذّب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے، دوسرا بولتا ہے واہ یوں نہیں یوں ہے، وہ کہتا ہے: ''واہ تم کیا جانو'' وہ بولتا ہے 'تم کیا جانو'۔ دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے، تیوری چڑھ جاتی ہے، رخ بدل جاتا ہے، آنکھیں ڈراونی ہو جاتی ہیں، باچھیں چِر جاتی ہیں، دانت نکل پڑتے ہیں، تھوک اڑنے لگتا ہے، باچھوں تک کف بھر آتے ہیں، سانس جلدی چلتا ہے، رگیں تن جاتی ہیں، آنکھ، ناک،

بھوں، ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں، آستین چڑھا، ہاتھ پھیلا، اس کی گردن اس کے ہاتھ میں اور اس کی داڑھی اس کی مٹھی میں، لپاڈُگّی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھڑا دیا تو غرّاتے ہوئے ایک اِدھر چلا گیا اور ایک اُدھر اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پِٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔

جس قدر تہذیب میں ترقّی ہوتی ہے اسی قدر اس تکرار میں کمی ہوتی ہے کہیں عُرفش ہو کر رہ جاتی ہے، کہیں توں تکار تک نوبت آ جاتی ہے، کہیں آنکھیں بدلنے اور ناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گزر جاتی ہے، مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کُتّوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کُتّوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اس کے پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ ہی کسوٹی ہے اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیکی ہے، مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی، محبت اور دوستی کو ہاتھ سے جانے دینا نہ چاہیے۔

پس اے میرے عزیز ہم وطنو! جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کرنے کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ہاتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو اور بھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چہرہ، لہجہ، آواز، وضع، لفظ اس طرح پر کھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو، مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے، تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے معذرت کے الفاظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا یا میں غلط سمجھا، گو بات تو عجیب ہے، مگر آپ کے فرمانے سے باور

کرتا ہوں۔ جب دو تین دفعہ بات کا الٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بدلے تو زیادہ تکرار مت بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر کہ میں اس بات کو پھر سوچوں گا، یا اس پر پھر خیال کروں گا، جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلاؤ کہ اس دو تین دفعہ کی الٹ پھیر سے تمھارے دل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا، کیونکہ جھگڑا یا شبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز، جیسے کہ دوستی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

جب کہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثے کو آنے مت دو، کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے۔ جب دیکھو کہ تقریر لمبی ہوتی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جلد ممکن ہو اس کو ختم کرو اور آپس میں ہنسی خوشی مذاق کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہم وطن اس بات پر غور کریں کہ ان کی مجلسوں میں آپس کے مباحثے اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے۔

معنی اور اشارے:

رُخ = چہرہ

لازم = ضروری

برخلاف = متضاد، ناموافق

تردید = کسی بات کو رد کرنا

دوبدو = آمنے سامنے، روبرو

رفتہ رفتہ = دھیرے دھیرے

لپاڈّگی = ہاتھاپائی

دل ٹھنڈا کرنا = غصّہ ختم کرنا

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) سرسید احمد خاں کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دِلّی (b) آگرہ

(۳) کلکتہ (d) لکھنؤ

(2) سرسید احمد خاں کب پیدا ہوئے؟

(a) 1817ء　　(b) 1825ء

(c) 1920ء　　(d) 1785ء

(3) رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کس نے جاری کیا تھا؟

(a) محمد حسین آزاد　　(b) الطاف حسین حالی

(c) سرسید احمد خاں　　(d) شبلی نعمانی

(4) سیر سید نے سائنٹفک سوسائٹی کس جگہ قائم کی تھی؟

(a) علی گڑھ　　(b) غازی پور

(c) کانپور　　(d) آگرہ

(5) سرسید کو ''سر'' کا خطاب کب ملا؟

(a) 1836ء　　(b) 1878ء

(c) 1881ء　　(d) 1868ء

(6) سرسید نے ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' نام کا اسکول کہاں قائم کیا تھا؟

(a) الٰہ آباد　　(b) کلکتہ

(c) علی گڑھ　　(d) پٹنہ

(7) محمڈن اینگلواورینٹل کالج آگے چل کر کس نام سے مشہور ہوا؟

(a) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (b) آگرہ یونیورسٹی

(c) بنارس ہندو یونیورسٹی (d) دِلّی یونیورسٹی

(8) سرسید نے غیر مہذب لوگوں کی مجلس میں ہونے والی تکرار کی مثال کس کی مجلس سے دی ہے؟

(a) کتوں کی مجلس سے (b) بلّیوں کی مجلس سے

(c) طوطوں کی مجلس سے (d) الّوؤں کی مجلس سے

مختصر ترین سوالات (Very short questions) :

(1) سرسید کی دو اہم کتابوں کے نام لکھیے؟

(2) سائنٹفک سوسائٹی کے قیام کا کیا مقصد تھا؟

(3) سیر سید نے اردو میں کس صنف کو فروغ دیا؟

تفصیلی سوالات (Long questions) :

(1) سرسید احمد خاں کے حالاتِ زندگی پر مختصر نوٹ لکھیے؟

(2) سرسید احمد خاں کی ادبی خدمات بیان کیجیے؟

(3) مندرجہ ذیل اقتباس کا خلاصہ ضروری سیاق وسباق کے ساتھ لکھیے :

''نامہذّب آدمی کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کرکرآپس میں مل بیٹھتے ہیں، پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔کوئی ایک بات بولتا ہے، دوسرا بولتا ہے، واہ! یوں نہیں یوں۔ وہ کہتا ہے''واہ تم کیا جانو'' وہ بولتا ہے''تم کیا جانو۔'' دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے، تیوری چڑھ جاتی ہے، رخ بدل جاتا ہے، آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں، باچھیں چر جاتی ہیں، دانت نکل پڑتے ہیں، تھوک اڑنے لگتا ہے، باچھوں تک کف بھر آتے ہیں، سانس جلدی چلتا ہے، رگیں تن جاتی ہیں، آنکھ ناک، بھوں ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔''

سبق (4) محمد حسین آزاد

مختصر سوانح

(1) نام : محمد حسین آزاد

(2) وطن : دہلی

(3) ولادت : 1830ء دلّی

(4) وفات : 1910ء لاہور

(5) تصانیف : آبِ حیات، نیرنگ خیال، دربار اکبری، سخن دان فارس وغیرہ۔

محمد حسین نام اور آزادؔ تخلص تھا۔ ان کے والد محمد باقر دہلی کے رہنے والے تھے۔ یہیں آزاد کی ولادت ہوئی۔ استاد ذوقؔ سے ان کے والد کے گہرے مراسم تھے۔ اس لیے ان کی ابتدائی تعلیم ذوقؔ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ ان کی توجہ نے آزادؔ کی ایسی تعلیم و تربیت کی کہ وہ دنیائے ادب میں سورج بن کر چمکے اور استاد کا نام روشن کیا۔

1857ء کے ہنگامے میں آزادؔ کو کچھ زیادہ ہی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے والد کو ایک

انگریز کے قتل کے الزام میں موت کی سزا دے دی گئی اوران کا گھر بار لوٹ لیا گیا۔ کچھ دنوں تک آزاد کسمپرسی کی حالت میں اِدھرادھر چھپتے چھپاتے رہے۔آخرکار لاہو پہنچے اور سررشتۂ تعلیم میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے۔لاہور میں ان کی ملاقات کرنل ہالرائڈ سے ہوئی، جنھوں نے اردو زبان میں نئ طرح کے مناظمے کی طرف توجہ دلائی۔آزاد اپنی قابلیت سے رفتہ رفتہ ترقی کرتے گئے۔آخر کار گورنمنٹ کالج، لاہور میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور شمس العلما کا خطاب پایا۔ آزاد کا انتقال **1910**ء میں لاہور میں ہوا۔

آبِ حیات(**1881**ء) آزاد کی شاہکار تصنیف ہے۔یہ اردو کا جدید تذکرہ ہے جس میں ادوار قائم کر کے اردو شاعری کے آغاز وارتقا سے بحث کی گئی ہے۔آب حیات میں شاعروں کے حالات اس انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ ان کی بولتی تصویریں ہمارے سامنے ابھر آتی ہیں۔آب حیات کے طرز پر انھوں نے فارسی زبان وادب پر ایک کتاب ''سخندان فارس'' لکھی، لیکن یہ آب حیات کے مقابلے میں زیادہ مقبول نہ ہوسکی۔ان کے علاوہ نیرنگ خیال، دربار اکبری اور اردو کے ابتدائی درجوں کے لیے درسی کتابیں لکھیں۔

محمد حسین آزاد بلا شبہ اردو کے بڑے نثر نگار ہیں۔ان کی نثر کا نمایاں اور دلکش جوہر ان کا طرزِ تحریر ہے۔سادگی وصفائی، بے تکلفی وسلاست، الفاظ ومحاورات کا صحیح انتخاب، مناسب تشبیہ واستعارہ کا استعمال ان کی تحریر کی بنیادی خصوصیات ہیں۔تصویر کشی میں بھی ان کو ملکہ حاصل ہے۔کردار اور واقعات

دونوں کو چند لفظوں میں بالکل زندہ کر کے آنکھوں کے سامنے پیش کر دینا محمد حسین آزاد کی نثر کا ادنیٰ کمال ہے۔ ''آب حیات'' میں جتنے قصے اور واقعات بیان ہوئے ہیں اور شاعروں کے بارے میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں بہت سی باتوں کو جدید تحقیق نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ صحیح اور غلط اپنی جگہ، آزاؔد کے پرلطف اور دلچسپ اسلوب بیان نے اسے زندۂ جاوید بنا دیا اور اس کی ادبی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''آب حیات'' کے جو اقتباسات شامل نصاب ہیں، ان میں مرزا مظہر جانِ جاناں **(1781 - 1698)** اور سید محمد میر سوز **(1798-1720)** کے حالات ہیں۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان شاعروں کی شخصیت کس طرح دلچسپ انداز میں ہمارے سامنے آتی ہے۔

مرزا مظہر جانِ جاناں

مرزا مظہر جانِ جاناں کے والد عالمگیر کے دربار میں صاحبِ منصب تھے۔نسب ان کا باپ کی طرف سے محمّد ابنِ حنفیہؒ سے ملتا ہے جو کہ حضرت علیؓ کے بیٹے تھے۔ماں بیجا پور کے شریف گھرانے سے تھیں۔ دادا بھی دربارِ شاہی میں صاحب منصب تھے۔ دادی اسدخاں وزیرِ عالمگیر کی خالہ زاد بہن تھیں۔ پردادا سے اکبر بادشاہ کی بیٹی منسوب ہوئی تھیں۔ان رشتوں سے تیموری خاندان کے نواسہ تھے۔ **1111**ھ میں جب کہ عالمگیر دکن پر فوج لیے پڑا تھا۔ان کے والد نوکری چھوڑ کر دِلّی کو پھرے۔ یہ کالا باغ علاقہ مالوہ میں ۱۱/رمضان کو جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ عالمگیر کو خبر گزری۔آئینِ سلطنت تھا کہ اُمَرا کے ہاں اولاد ہو تو حضور میں عرض کریں۔ بادشاہ خود نام رکھیں یا پیش کیے ہوئے ناموں میں سے پسند کردیں۔کسی کو خود بھی بیٹا یا بیٹی کر لیتے تھے کہ یہ اُمور طرفین کے دلوں میں اِتّحاد اور محبت پیدا کرتے تھے، ان کے لیے ایک وقت پر سندِ ترقی ہوتے تھے۔اور بادشاہوں کو ان سے وفاداری اور جاں نثاری کی اُمّیدیں ہوئی تھیں۔شادی بھی اجازت سے ہوتی تھی۔کبھی ماں باپ کی

تجویز کو پسند کرتے تھے، کبھی خود تجویز کر دیتے تھے۔ غرض عالمگیر نے کہا کہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے۔ باپ مرزا جان ہے۔ اس کا نام ہم نے جانِ جاناں رکھا۔ پھر اگر چہ باپ نے شمس الدّین نام رکھا مگر عالمگیری نام کے سامنے نہ چمکا۔ مظہر تخلص انھوں نے آپ کیا کہ جانِ جاناں کے ساتھ مشہور چلا آتا ہے۔ مرزا جان بھی شاعر تھے اور جانی تخلص کرتے تھے۔

16 برس کی تھی کہ باپ مر گئے۔ اسی وقت سے مُشتِ خاک کو بزرگوں کے گوشۂ دامن میں باندھ دیا۔ 30 برس کی عمر تک مدرسوں اور خانقاہوں میں جھاڑو دی اور جو دن بہارِ زندگی کے پھول ہوتے ہیں انھیں بزرگوں کے روضوں پر چڑھا دیا۔ اس عہد میں تصوّف کے خیالات اَبر کی طرح ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ قطع نظر کمال شاعری کے ہزار ہا مسلمان بلکہ ہندو' بھی اس کے مرید تھے اور دل سے اعتقاد رکھتے تھے۔

مرزا صاحب کی تحصیل علمی بھی عالمانہ نہ تھی مگر علم حدیث کو با اصول پڑھا تھا۔ حنفی مذہب کے ساتھ نقش بندی طریقے کے پابند تھے۔ اور احکامِ شریعت کو صدقِ دل سے ادا کرتے تھے۔ اوضاع و اطوار اور ادب آداب نہایت سنجیدہ اور برجستہ تھے کہ جو شخص ان کی صحبت میں بیٹھتا تھا ہُشیار ہو کر بیٹھتا تھا۔ لطافتِ مزاج اور سلامتیِ طبع کی نقلیں ایسی ہیں کہ آج سن کر تعجُّب آتا ہے۔ خلاف وضع اور بے اسلوب حالت کو دیکھ نہ سکتے تھے۔

نقل: ایک دن درزی ٹوپی سی کر لایا۔ اس کی تراش ٹیڑھی تھی۔ اس وقت دوسری ٹوپی موجود نہ تھی اسی لیے اسی کو پہننا پڑا۔ مگر سر میں درد ہونے لگا۔

نقل: جس چارپائی میں کان ہو اس پر بیٹھا نہ جاتا تھا، گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ دِلّی دروازہ کے پاس ایک دن ہَوادار میں سوار چلے جارہے تھے۔ راہ میں ایک بنیے کی چارپائی کے کان پر نظر جا پڑی۔ وہیں ٹھیر گئے اور جب تک اس کا کان نہ نکلوالیا آگے نہ بڑھے۔

نقل: ایک دن ایک نواب صاحب کہ ان کے خاندان کے مرید تھے، ملاقات کو آئے اور خود صُراحی لے کر پانی پیا۔ اتفاقاً آب خورہ جو رکھا تو ٹیڑھا رکھا۔ مرزا کا مزاج اس قدر برہم ہوا کہ ہرگز ضبط نہ ہوسکا اور بگڑ کر کہا کہ عجب بے وقوف احمق تھا جس نے تمھیں نواب بنا دیا، آب خورہ بھی صراحی پر رکھنا نہیں آتا۔

نقل: ایک معتقد کا بیٹا حسنِ اعتقاد سے غزل لے کر آیا کہ شاگرد ہو اور اصلاح لے۔ انھوں نے کہا کہ اصلاح کے ہوش وحواس کسے ہیں۔ اب عالم کچھ اور ہے۔ عرض کی کہ میں فقط بطورِ تبرک سعادت حاصل کرنی چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اس وقت ایک شعر خیال میں آیا ہے، اسی کو تبرک اور اس کو اصلاح سمجھ لو۔

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر
فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

غرض ساتویں محرم کی تھی کہ رات کے وقت ایک شخص مٹھائی کی ٹوکری ہاتھ میں لیے آیا، دروازہ بند تھا۔ آواز دی اور ظاہر کیا کہ میں مرید ہوں۔ نذر لے کر آیا ہوں۔ وہ باہر نکلے تو ایک قرابین[1] ماری کہ گولی سینے کے پار ہوگئی۔ وہ تو بھاگ گیا۔ مگر انھیں زخم کاری آیا۔ تین دن تک زندہ رہے، اس عالم

اضطراب میں لوٹتے تھے اور اپنا ہی شعر پڑھتے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ تین دن نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے گزارے بلکہ جب شاہ عالم بادشاہ کو خبر پہنچی تو بعد تحقیقات کے کہلا بھیجا کہ قاتل نہیں ملتا۔ نشان دو تو ہم اسے سزا دیں۔ جواب میں کہا کہ فقیر کشتۂ راہ خدا ہیں اور مردہ کا مارنا قتل نہیں۔ قاتل ملے تو آپ سزا نہ دیں۔ یہاں بھیج دیں۔ آخر دسویں کو شام کے وقت دنیا سے انتقال کیا۔ بہت لوگوں نے تاریخیں کہیں۔ مگر درجہ اول پر میر قمرالدین مِنّت کی تاریخ ہے، جس کا مادّہ خاص الفاظ حدیث ہیں اور اتفاق یہ کہ موزوں ہیں۔

عَاشَ حَمِیُدًا، مَاتَ شَہِیُداً

۱؎ استاد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ دگاڑے کا نشان ہم نے بھی دیکھا ہُوا ہے۔ کیول رام کے کوٹھے پر دیوڑھی کی دیوار میں اب تک موجود تھا۔

سیّد محمّد میر سوزؔ

میر موصوف سوار کاری میں شہسوار اور فنونِ سپاہ گری میں ماہر۔ خصوصاً تیراندازی میں قدر انداز تھے۔ ورزش کرتے تھے اور طاقتِ خدا داد بھی اس قدر تھی کہ ہر ایک شخص ان کی کمان کو چڑھا نہ سکتا تھا۔ غرض کہ **1213** ہجری میں شہر لکھنؤ میں **78** برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ ان کے بیٹے بھی شاعر تھے اور باپ کے تخلص کی رعایت سے داغؔ تخلص کرتے تھے۔ جوانی میں اپنے مرنے کا داغ دیا اور اس سے زیادہ افسوس یہ کہ کوئی غزل ان کی دستیاب نہ ہوئی۔ خود حسین تھے اور حسینوں کے دیکھنے والے تھے۔ آخر غمِ فراق میں جان دی۔

میر سوز مرحوم کی زبان عجب میٹھی زبان ہے اور حقیقت میں غزل کی جان ہے چنانچہ غزلیں خود ہی کہے دیتی ہیں۔ ان کی انشا پردازی کا حسن، تکلف اور ضائع مصنوعی سے بالکل پاک ہے۔ اس خوشنمائی کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گلاب کا پھول ہری بھری ٹہنی پر کٹورا سا دھرا ہے اور سبز سبز پتّوں میں اپنا اصلی جوبن دکھا رہا ہے جن اہلِ نظر کو خدا نے نظر باز آنکھیں دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک حسنِ خداداد کے سامنے ہزاروں بناوٹ کے بناؤ سنگار قربان ہوا کرتے ہیں۔ البتہ غزل میں دو تین شعر کے بعد ایک آدھ پرانا لفظ ضرور کھٹک جاتا ہے۔ خیر اس سے قطع نظر کرنی چاہیے۔ ع

فکر معقول بفرما گُلِ بے خار کُجاست

''غزل'' لغت میں عورتوں سے باتیں چیتیں ہیں، اور اصطلاح میں یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے

ہجر یا وصل کے خیالات کو وسعت دے کر اس کے بیان سے دل کے ارمان یا غم کا بخار نکالے اور زبان بھی وہ ہو کہ گویا دونوں آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ بس وہ کلام ان کا ہے معشوق کو بجائے جاناں کے فقط جان یا میاں جان کہہ کر خطاب کرنا ان کا خاص محاورہ ہے۔

مجالس رنگین کی بعض مجلسوں سے اور ہمارے عہد سے پہلے کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام صفائی محاورہ اور لطفِ زبان کے باب میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے۔ ان کے شعر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی چاہنے والا اپنے چاہیتے عزیز سے بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ وہ اپنی محبت کی باتوں کو اس طرح شعر میں باندھتے تھے کہ شعر کی موزونیت کے لیے لفظوں کا آگے پیچھے کرنا بھی گوارا نہ سمجھتے تھے۔ میر تقی کہیں کہیں ان کے قریب آجاتے ہیں۔ پھر بھی بہت فرق ہے۔ وہ بھی محاورہ خوب باندھتے تھے مگر فارسی کو بہت نباہتے تھے اور مضامین بلند لاتے تھے۔ سودا بہت دور ہیں کیونکہ مضامین کو تشبیہ و استعارہ کے رنگ میں غوطے دے کر محاورہ میں ترکیب دیتے تھے اور اپنے زورِ شاعری سے لفظوں کو پس و پیش کر کے اس بندوبست کے ساتھ جڑتے تھے کہ لطف اس کا دیکھے ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ میر سوز جیسے سیدھے سیدھے مضمون باندھتے تھے، ویسے ہی آسان آسان طرحیں بھی لیتے تھے۔ بلکہ اکثر ردیف کو چھوڑ کر قافیہ ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ ان کے شعر کا قوام فقط محاورہ کی چاشنی پر ہے۔ اضافت، تشبیہ، استعارہ فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت کم ہیں۔ ان لحاظوں سے انھیں گویا اردو غزل کا شیخ سعدی کہنا چاہیے۔

معنی اور اشارے:

صاحب منصب = منصب دار، عزت دار

آئینِ سلطنت = سلطنت کا بنیادی قانون

سندِ ترقی = ترقی کی دستاویز یا پروانہ

مشتِ خاک = مٹھی بھر خاک، مراد انسان جو کہ خاک سے بنا ہے۔

تصوف = علم معرفت، دل سے خواہشوں کو دور کر کے خدا کی طرف دھیان لگانا۔

نقش بندی طریقہ = صوفیوں کے چار مشہور طریقے یا سلسلے ہیں: قادری، سہروردی، چشتی اور نقش بندی۔ ہندوستان میں نقش بندی طریقہ کے سب سے بڑے بزرگ شیخ احمد سرہندی کا مانے جاتے ہیں۔ مرزا مظہر جانِ جاناں تین واسطوں سے شیخ احمد سرہندی کے مرید تھے۔

اوضاع = طریقے، وضع کی جمع ہے۔

نقلیں = واقعات

چارپائی کا کان = چارپائی کی پٹی کا وہ حصہ جو پائے کے باہر نکل آئے۔ چارپائی کا ٹیڑھا ہونا یا چاروں کونوں کا برابر نہ ہونا۔

قرابین = ولایتی بندوق جو رائفل کی پہلی شکل تھی۔ اس کو انگریزی میں **Carbine** کہتے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے ...= خاک وخون میں لتپتھ ہو کر ایک اچھی رسم کی بنیاد ڈالی

... پاک طینت را ان پاک طینت عاشقوں پر خدا کی رحمت ہو۔

تاریخ کہنا = کوئی لفظ یا عبارت ایسی بنانا جس کے حرفوں کی گنتیاں جوڑی جائیں تو تاریخ نکل آئے۔ حرفوں کی گنتیاں مقرر ہیں۔

مادہ = وہ لفظ یا فقرہ جس سے تاریخ نکلتی ہے۔

عَاشَ حَمِیُداً = یہ عربی کا مشہور فقرہ ہے جس کے معنیٰ ہیں، وہ زندہ تھا تو لوگ اس
مَاتَ شَہِیُداً کی تعریف کرتے تھے۔ وہ مرا تو شہادت کے درجے میں مرا۔

قدرانداز = ماہر انداز، ٹھیک اندازے پر نشانہ لگانے والا۔

طاقت خداداد = فطرتی صلاحیت یا طاقت

کمان کو چڑھانا = کمان کو اس قابل کرنا کہ تیر چلایا جا سکے۔

فکر معقول بغیر ما گل = سوچ سمجھ کر خیال کرو ایسا کوئی پھول کہاں سے جس میں
بے کار کجاست کانٹا نہ ہو۔

مجلسِ رنگین = ایسی طرحیں اختیار کرنا جو آسان ہو۔ ''طرح'' سے یہاں مراد ہے ردیف اور قافیہ

میں شعر کہے جائیں تو اس مصرے کو بھی ''طرح'' یا ''مصرع طرح'' کہتے ہیں۔

شیخ سعدی = فارسی زبان وادب کے ایک مشہور شاعر وادیب

کثیر الجواب پرمبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) محمد حسین آزاد کہاں کے رہنے والے تھے؟

(a) آگرہ (b) دلی

(c) لاہور (d) علی گڑھ

(2) آب حیات کس کی تصنیف ہے؟

(a) محمد حسین آزاد (b) سر سید احمد خاں

(c) نذیر احمد (d) حالؔی

(3) مرزا مظہر رجانِ جاناں کی ماں کا تعلق کہاں سے تھا؟

(a) گول کنڈہ (b) حیدرآباد

(c) بیجاپور (d) اورنگ آباد

(4) مرزا مظہر جانِ جاناں کا اصل نام کیا تھا؟

(a) ضیاءالدین (b) خیرالدین

(c) شمس الدین (d) نورالدین

(5) مرزا مظہر جانِ جاناں صوفیوں کے کس سلسلے سے تعلق رکھتے تھے؟

(a) سہروردی (b) چشتی

(c) قادری (d) نقش بندی

(6) سیّد محمّد میر سوز کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) رامپور (b) لکھنؤ

(c) دِلّی (d) آگرہ

مختصر ترین سوالات (Very Short type questions):

(1) محمد حسین آزاد کی تین کتابوں کے نام لکھیے؟

(2) آبِ حیات کا بنیادی موضوع کیا ہے؟

(3) غزل کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(4) محمد حسین آزاد نے اردو غزل کا شیخ سعدی کسے کہا ہے؟

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) ''مشتِ خاک'' کو بزرگوں کے گوشۂ دامن میں باندھنے سے کیا مراد ہے؟

(2) ''جو دن بہار زندگی کے پھول ہوتے ہیں انھیں بزرگوں کے روضوں پر چڑھایا'' اس جملے کی وضاحت کیجیے؟

(3) محمد حسین آزاد کی نثر کی خوبیاں بیان کیجیے؟

(4) سید محمد میر سوز کے کلام کی خصوصیات بیان کیجیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) مرزا مظہر جانِ جاناں اور سید محمد میر سوز میں سے کون سا بیان اچھا ہے اور کیوں؟ چند جملوں میں بیان کیجیے؟

(2) مندرہ ذیل عبارت کا مطلب سیاق وسباق کے ساتھ بیان کیجیے:

”میر سوز مرحوم کی زبان عجب میٹھی زبان ہے اور حقیقت میں غزل کی جان ہے۔ چنانچہ غزلیں خود ہی کہے دیتی ہیں، ان کی انشا پردازی کا حسن تکلف اور صنائع مصنوعی سے بالکل پاک ہے۔ اس خوشنمائی کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گلاب کا پھول ہری بھری ٹہنی پر کٹورا سا دھرا ہے اور سبز سبز پتوں میں اپنا اصلی جوبن دکھا رہا ہے۔ جن اہل نظر کو خدا نے نظر باز آنکھیں دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک حسنِ خدا داد کے سامنے ہزاروں بناوٹ کے بناؤ سنگار قربان ہوا کرتے ہیں۔“

سبق (5) مولوی نذیر احمد

مختصر سوانح

(1) نام : نذیر احمد

(2) وطن : بجنور

(3) ولادت : 1836ء بجنور

(4) وفات : 3 مئی 1912ء دہلی

(5) استاد : مولوی عبدالخالق

(6) خطاب : شمس العلماء

(7) تصانیف : مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت وغیرہ۔

مولوی نذیر احمد کی پیدائش 6 دسمبر 1836ء کو اتر پردیش کے ضلع بجنور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سعادت علی سے حاصل کی۔ ان کے علمی شوق کو دیکھتے ہوئے ان کے والد نے ان کا ہاتھ مولوی عبدالخالق کے سپرد کر دیا۔ وہ دلّی چلے آئے۔ مولوی عبدالخالق پنجابی کٹرے کی مسجد میں مدرس تھے۔ نذیر احمد وہیں رہنے لگے۔ مدرسے کی تعلیم کے بعد انھوں نے دِلّی کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں ان کے ہم

جماعت محمد حسین آزاد اور مولوی ذکاء اللہ تھے۔ ان کی صحبتوں سے طبیعت کو اور جلا ملی۔ دلی کالج کے زمانۂ تعلیم میں ان کا خاص مضمون عربی تھا۔ دلی کالج میں 8 سال گزارنے کے بعد ملازمت کے سلسلے میں گجرات پہنچے جہاں 80 روپے ماہوار پر انھیں نوکری مل گئی۔ اس کے بعد ترقی کرتے ہوئے وہ کانپور میں انگریزی حکومت کی مدد سے ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے بچے بڑے ہوئے تو ان کی تعلیم کو لے کر فکر مند رہنے لگے۔ اس لیے انھوں نے بعض انگریزی ناولوں کے خیالات اور پلاٹ کو اپنے رنگ میں ڈھال کر کچھ قصّے لکھے، جو ناول کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان میں سب سے پہلی کتاب ''مرأۃ العروس'' 1869ء ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کئی ناول تحریر کیے۔ جن کا مقصد اصلاح تھا۔ ان ناولوں میں زیادہ سے زیادہ زور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور امورِ خانہ داری پر تھا۔ ان کے مشہور ناولوں میں مرآۃ العرس، بنات النعش، توبتہ النصوح، فسانۂ مبتلا، ابن الوقت، ایّامی اور رویائے صادقہ ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے 61-1860 میں ایک انگریزی کتاب ''انڈین پینل کوڈ'' کا ترجمہ ''تعزیرات ہند'' کے نام سے کیا تھا جس کے عوض میں انھیں ڈپٹی کلکٹری کے لیے نامزد کیا گیا۔ ان کی علمی وادبی اور خدمات کے صلے میں برطانوی حکومت نے انھیں شمس العلماء کا خطاب دیا۔ آخری عمر میں ڈپٹی نذیر احمد پر فالج کا حملہ ہوا اور 3 مئی 1912ء کو دہلی میں ان کی وفات ہو گئی۔

نذیر احمد کو دلّی کی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کے ناولوں میں اردو کا وہ رنگ

روپ نظر آتا ہے جو آگے چل کر واقعہ نگاری کی بنیاد بنا ہے۔ جب وہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو عام طور پر ان کی زبان سادہ اور رواں ہوتی ہے۔ جملے چھوٹے ہوتے ہیں روز مرّ وں اور محاوروں کا وہ خوب استعمال کرتے ہیں۔

شامل نصاب سبق نذیر احمد کے سب سے مشہور ناول ''توبتہ النصوح''، **1874**ء سے لیا گیا ہے۔اس کتاب میں انسان کے اس فرض کا تذکرہ ہے جو تربیت اولاد کے لیے ضروری ہے۔اس ناول کا مرکزی کردار ''نصوح'' ایک خوش حال اور عزت دار لیکن دنیا پرست شخص ہے۔اچانک بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ نصوح صحیح معنی میں خدا پرست ہو جاتا ہے۔نصوح اپنی بیوی اور تمام اولادوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے لیکن بڑے بیٹے کلیم اور بیٹی نعیمہ کی اصلاح سب سے زیادہ مشکل ثابت ہوتی ہے۔

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

نعیمہ اُس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی، پانچ مہینے کا پہلونٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی، نانی کی چہیتی، ماں کی لاڈو، مزاج کچھ تو قدرتی تیز، ماں باپ کے لاڈ پیار سے وہی کہاوت ہے: کریلا اور نیم چڑھا، اور بھی چڑ چڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ منہ کھلا اور منہ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر رسّی جلی، پر بل نہ گیا۔ باوجودے کہ اجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی، مزاج میں وہی طنطنہ تھا۔ کنوار پنے میں سوا گز کی زبان تھی۔ کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا، سو بیاہے سے ان کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی، مردوں تک کا لحاظ اٹھا دیا۔

فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھاتے تو اٹھا لیا تھا، لیکن نعیمہ کے تصوّر سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتّے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گی۔ سَو سَو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی، مگر نعیمہ کی شکل نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ماں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی۔ نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے بچّہ حمیدہ کو دے کر

خود ہاتھ مُنھ دھونے میں مصروف ہوئی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے، بچّے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچّہ کس اکھل کھری ماں کا تھا۔ بٹھلانا تھا کہ بِلبِلا اُٹھا۔ آواز سن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچّہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دور سے دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دوہتھڑ کے ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدے میں جا گری۔ اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لیے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تلّلی جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تم کو نماز پڑھتی چھوڑ گئی تھی، اتنی ہی دیر میں یہ ہوا، تو کیا ہوا۔ دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی۔

حمیدہ بے چاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اٹھی کہ اے بی، ہوا کیا! ذرا کی ذرا، لڑکے کو دے کر، میں منھ دھونے چلی گئی اس نِکمّی سے اتنا نہ ہو سکا کہ ذرا لڑکے کو لیے رہے۔ آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی۔ لڑکے کو بلکتا ہوا لِٹا، نِیّت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی، تو ذرا ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام سے گر پڑی۔ کہیں تخت کی کیل لگ گئی ہو گی۔

ماں: اچھا تو تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سفید ہو گئے ہیں!

نعیمہ: لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے، تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی!

ماں: لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا، اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔

نعیمہ: بلا سے، صدقے سے، نماز کو جانے دیا ہوتا، نماز پیاری تھی، یا بھانجا؟

ماں: لڑکی! ڈر خدا کے غضب سے! کیا کفر بک رہی ہے؟ اس حالت کو تو پہنچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی۔

نعیمہ: خدا نہ کرے میری کون سے حالت تم نے بری دیکھی؟

ماں: اس سے بدتر حالت اور کیا ہوگی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔

نعیمہ: وہ جنم جَلا گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو، تو کوئی کیا کرے؟

ماں: ہاں، بیٹی! سچ ہے۔ میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی۔ مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اُجڑی ہوئی ان کے گھر گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔

نعیمہ: کیا جانیں، ہم کو تو آنکھ میچ کر کنویں میں ڈھکیل دیا تھا۔ سو پڑے ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔

ماں: خیر بیٹی! اللہ رکھے تمہارے آگے بھی اولاد ہے۔ اب تم سمجھ بوجھ کر اُن کی شادی کرنا۔

نعیمہ: کریں ہی گے، نہ کریں گے، تو کیا تمھارے بھروسے بیٹھے رہیں گے!

ماں: میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا، بڑا بھروسا خدا کا۔

نعیمہ: کیسا خدا! بھروسا اپنے دم قدم کا۔

ماں: یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے۔ اب کی تو نے اس طرح کی بات منھ سے نکالی، اور بے تاَمُّل میں تڑوے سے طمانچہ تیرے منھ پر کھینچ ماروں گی۔

نعیمہ: سچ کہنا، بڑی بے چاری مارنے والیں، مارو اپنی چہیتی کو، مارو اپنی لاڈو کو۔

ماں: کیسی چہیتی، کیسی لاڈو! قربان کی تھی وہ اولاد، جو خدا کو نہ مانے۔

نعیمہ: یہ کب سے؟

ماں: جب سے خدا نے ہدایت دی۔

نعیمہ: چلو، خیر جب ہم بھی تمھاری عمر کو پہنچیں گے، تو بہتیرا خدا کا ادب کر لیں گے۔

ماں: آپ کو خیر سے غیب دانی میں بھی دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔

نعیمہ: اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔

ماں: نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا، اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا ہے۔ جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔

نعیمہ: ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں؟

ماں: اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی۔

نعیمہ: نوج۔ تو کیا میں حیوان ہوں؟

ماں: جو خدا کو نہیں جانتا، وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔

نعیمہ: اب تو ایک حمیدہ تمھارے نزدیک انسان ہے۔ باقی سب گدھے ہیں؟

ماں: حمیدہ کا تجھ کو کیا جلا پا پڑ گیا۔ تو اس کی جوتی کی برابری تو کر لے۔

نعیمہ: خدا کی شان! یہ اٹھک بیٹھک کر لینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔

فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کر ہی چکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں بے تأمّل منھ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی ۔ اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اٹھک بیٹھک کہا، تو حرارتِ دینداری نے فہمیدہ کو بے اختیار کیا اور اس نے واقع میں جیسا کہا تھا، نعیمہ کے منھ پر ایک طمانچہ ایسے زور سے مارا کہ منھ ہی تو پھر گیا۔ طمانچے کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری۔ سب سے پہلے تو اس نے دے دُھواں دُھوں، دے دُھواں دُھوں اپنے بے زبان معصوم بچّے کو پیٹ ڈالا۔ اگر لوگ اس کی گود سے بچّے کو نہ چھین لیں تو وہ لڑکے کا خون ہی کر چکی تھی ۔ اس کے بعد تو اس نے عجب عجب فیل مچائے۔ گھنٹوں تک تو پٹخنیاں کھایا کی ۔ کپڑوں کا ایک بھی تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اس کا سر تھا یا لوہے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دوہتھڑ یں اس پر پڑیں۔ آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے، سیکڑوں ٹکّر یں دیواروں میں ماریں۔ حیرت ہے کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا! اس کے پاکھنڈ دیکھ کر سارا گھر تھرّا اُٹھا۔

معنی اور اشارے:

اکھل کھری/کھرا = روکھا، وہ شخص جو ملن سار نہ ہو (موجودہ وقت میں اکھل کھری کو اکل کھری/کھرا بولتے ہیں)

فَصد = پرانے زمانے میں یہ خیال تھا کہ بہت سی بیماریاں خون کے خراب ہو جانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جسم کی بعض رگوں میں شگاف کر خاصی مقدار میں خون نکال لیتے ہیں۔ اسی شگاف کو حکیموں کی زبان میں فصد کہتے ہیں۔

بلبلا اٹھانا = چیخنا، چلانا

فال نکالنا = غیب کی بات دریافت کرنا، نیک و بد کا شگون معلوم کرنا

نوج = خدا نہ کرے، ایسا نہ ہو، خدانخواستہ

اٹھک بیٹھک = نعیمہ کی طرف سے طنزیہ جملہ (یعنی نماز کو اٹھک بیٹھک کہنا)

بے تامّل = بے دھڑک، بے اندیشہ، بے فکر

فیل مچانا = ڈھونگ رچانا

خون کی تلّلی = خون کی دھار بہنا

پہلونٹی کا لڑکا = پہلا لڑکا پیدا ہونا

خیر سے = یہاں یہ فقرہ طنز کے لیے آیا ہے۔

پاکھنڈ = مکروفریب

بلا سے، صدقے سے = پروا یا فکر نہیں، جوتی کی نوک سے

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) اردو کا سب سے پہلا ناول نگار کون ہے؟

(a) پریم چند (b) کرشن چندر

(c) قرۃ العین حیدر (d) مولوی نذیر احمد

(2) فہمیدہ اور نعیمہ کس ناول کے کردار ہیں؟

(a) مرآۃ العروس (b) توبۃ النصوح

(c) ابن الوقت (d) ایامیٰ

(3) مولوی نذیر احمد کی پیدائش کب ہوئی ؟

(a) 1836ء (b) 1832ء

(c) 1869ء (d) 1700ء

(4) مرآۃ العروس کا سنہء تصنیف کیا ہے؟

(a) 1869ء (b) 1870ء

(c) 1700ء (d) 1800ء

مختصرترین سوالات (Very short type questions):

(1) ''مرآۃ العروس'' کس کی تصنیف ہے؟

(2) نصاب میں شامل سبق 'فہمیدہ اور بڑی بہن نعیمہ کی لڑائی' کس ناول سے ماخوذ ہے؟

(3) مولوی نذیر احمد کے کسی دو ناول کے نام لکھیے؟

(4) مولوی عبدالخالق سے ڈپٹی نذیر احمد کا کیا رشتہ تھا؟

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) ناول کی تعریف کیجیے اور تین ناول نگار کے نام لکھیے؟

(2) مولوی نذیر احمد کے حالات زندگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ایک مختصر نوٹ لکھیے؟

(4) مولوی نذیر احمد کے اسلوب نگارش پر اظہار خیال کیجیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) فہمیدہ اور نعیمہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے؟

(2) ''توبتہ النّصوح'' اردو ناول نگاری کی دنیا میں اہم مقام رکھتا ہے آپ کے خیال میں صحیح نظریہ کیا ہے؟

(3) ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری پر ایک نوٹ لکھیے؟

سبق (6) رتن ناتھ سرشارؔ

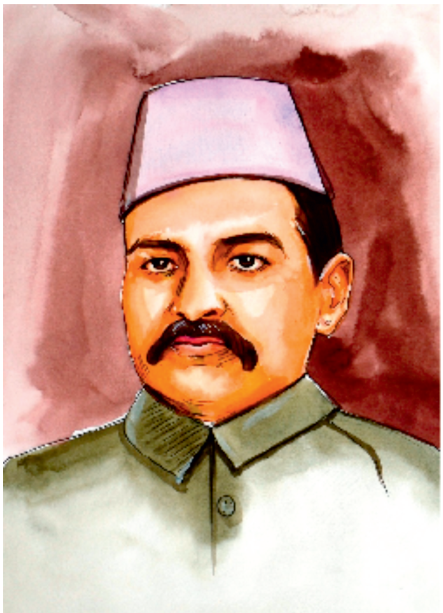

مختصر سوانح

(1) نام : رتن ناتھ سرشارؔ

(2) تخلّص : سرشارؔ

(3) ولادت : **1846/47**ء لکھنؤ

(4) وفات : **1902**ء حیدرآباد

(5) تصانیف : فسانۂ آزاد، جام سرشار، سیر کہسار وغیرہ۔

پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ **1846/47**ء میں لکھنؤ کے کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ روایت کے مطابق ان کی تعلیم وتربیت عربی فارسی اور اردو میں ہوئی۔ ابتدا ہی سے شعر وادب سے ان کا فطری لگاؤ تھا۔ ان کا پہلا مضمون مراسلۂ کشمیر نام کے رسالے میں شائع ہوا۔ اودھ پنچ اخبار میں بھی ان کے مزاحیہ مضامین شائع ہوئے، جن میں ان کی طرز نگارش نکھر کر سامنے آئی۔ ان مضامین میں نئے طرز تحریر کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ سرشارؔ کی تصنیف ''فسانہ آزاد'' بہت ہی مشہور ومقبول ہوئی۔ ''فسانہ آزاد'' ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی

ہے جو طنز و ظرافت اور مزاح کا بہترین نمونہ ہے۔ خوجی ''فسانۂ آزاد'' کا مشہور کردار ہے جو میاں آزاد کا دوست ہے اور جسے افیون خوری کی لت ہے۔ ''فسانۂ آزاد'' کی روح خوجی کا کردار ہے۔ فسانۂ آزاد سرشار کا پہلا ناول ہے جو فنی اعتبار سے اہم ہے۔ اس میں ظرافت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ان کے یہاں زندگی کی صحیح اور سچّی تصویر ملتی ہے۔

سرشار کا انداز بیان نہایت شگفتہ ہے۔ سادگی اور صفائی ان کی نثر کی اہم خوبی ہے۔ وہ لکھنوی روز مرّوں اور محاوروں پر قدرت رکھتے تھے جس کا ثبوت ان کی تحریریں بہم پہنچاتی ہیں۔ ''فسانۂ آزاد'' کے علاوہ ''سیرِ کوہسار''، جام سرشار''، ''خدائی فوج دار''، طوفانِ بدتمیزی''، اور'' کامنی'' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ **1902**ء میں سرشار کا انتقال ہوا۔

مہری کا سراپا

میاں آزاد نہار مُنھ شہر میں چکّر لگا رہے تھے تو ایک دفعہ ہی کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک زرنگار پُر بہار فنس بڑے ٹھسّے اور دھوم دھڑکّے سے آ رہی ہے۔ کہاروں کی ہری ہری وردی طوطے پھڑک ،لال لال پگیا فوق البھڑک ، کندھے جوڑے ہوئے شہ گام جا رہے ہیں۔ چھٹّا سرخا سرخ لال بھبھوکا ، فنس زرنگاری سواری ہے یا بادِ بہاری۔ ایک طرح دار باغ و بہار گل عذار شوخ و عیار مہری ساتھ ہے۔ نظر اِدھر اُدھر مگر فنس کے ایک کونے پر ہاتھ ہے۔ بے حجاب برافگندہ نقاب ، چندے خورشید چندے مہتاب ، آنکھوں میں صہبائے جوانی کا سرور ، وہ حسن وہ نور کہ:

دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوئے اوجِ طور

میاں آزاد دل ہی دل میں سوچ رہے ہیں کہ اللہ اللہ جس پری کے جِلو میں ایسی ایسی چھیل چھبیلی بانکی ترچھی دنیا سے نرالی سہیلیاں ہیں وہ خود کیسی نہ ہوگی ؟ اب بی مہری کی چال ڈھال اور جوڑے کا حال سنیے : فالسیِ اطلس کا لہنگا:

ناز سے پائنچے اٹھائے ہوئے

پڑاقے کی ڈیڑھ ہاتھ چوڑی سبز شرخ گلابی آسمانی گوٹ ہے، میاں آزاد کے کلیجے پر چوٹ ہے۔گوٹ پر آٹھ آٹھ پلیٹیں، اس پر تاج بنے ہوئے، لال گرنٹ کا نیفہ جو یاقوتِ احمر کو خون رلائے، اس میں فالسی ریشمی ازار بند پڑا ہوا، کپھے دار کرن ٹکی ہوئی۔ ہاتھ میں آٹھ آٹھ لڑ کا توڑا اگنگا جمنی۔ وہ گوری گوری بہیاں اور کالی کالی لچھیاں جیسے شاخِ صندل پر مار۔آبِ رواں کا چست پھنسا ہوا شلوکا آستینوں دار۔ چوڑی کے کڑے شیر دہاں اور نازک نازک سبز سبز کریلیاں۔ پور پور چھلے، بازوؤں پر یکہ اور جوشن۔ بلا کا نکھار، غضب کا جوبن۔ ناک میں فیروزے کی ننھی سی کیل کانوں تین تین انتیاں اور بیچ میں بجلیاں۔زلف چلیپا تا بہ کمر، چھپکا زیبِ سر، آگے مچھلی غیرت ماہ، چاہ زنخداں کی چاہ، وہ دست حنائی اور فردی بوٹی کی دُلائی، شربتی کا استر، ڈیڑھ بالشت کی گوٹ، دل لوٹ پوٹ۔اس پر کٹاؤ نے اور بھی کٹاؤ کیا۔ گلے میں دُھکدُھکی پڑی ہوئی، میاں آزاد سے آنکھ لڑی ہوئی۔کبھی بہ صد ادائے دل ربا دُلائی کو سنبھالنا،کبھی بالوں کو سنوارنا۔ پائینچے اٹھائے فنس کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے،کبھی مسکراتی ہے،کبھی کمر لچکاتی ہے۔

ریل کا سفر

الغرض میاں آزاد اور خوجی صاحب نے اسباب کسا اور اسٹیشن پر داخل ہوئے۔ میاں خوجی کو روپے دیے کہ ٹکٹ لاؤ۔ حضرت جا ڈٹے اور جس وقت گھنٹی ہوئی ٹھن ٹھن اور کانسٹبل نے کہا کہ کانپور کے مسافرو چلو! ٹکٹ بٹ رہا ہے۔ خوجی بھی لپکے اور وہ ریلا آیا کہ خدا کی پناہ۔ ایک ایک پر دس دس گرے پڑتے ہیں۔ بیس واڑے کے دس بارہ کشیدہ قامت جوانوں میں حضرت خوجی جو پھنسے تو کچلنے لگے۔ وہ ڈنڈ پیل لحیم وشحیم کرارے جوان، یہ بے چارے نیم جان۔ قد ماشاءاللہ پون انچ کا، بہت ہی گھبرائے اور یار لوگ جو بھڑ بھڑا کر دھنس پڑے تو ان کے ہاتھ پاؤں گویا شکنجے میں کس گئے۔ جب کچلنے لگے تو غل مچایا کہ لانا قرولی! دو ایک کو تو یہیں شہید کر دوں۔ اتنا سننا تھا کہ بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی اور میاں خوجی درّاتے ہوئے ٹکٹ کی کھڑکی کے پاس پہنچے۔

خوجی: بابو صاحب! ٹکٹ دیجیے۔

بابو: گول مت کرو۔ (غل مت کرو)

خوجی: اجی غل تو سنتے ہو مگر اس غول بیابانی پر نظر ہے؟

ابو: چپ!

خوجی: چپ! یہ چپ کیسی؟ ٹکٹ دیتے ہو یا میں اسٹیشن ماسٹر سے رپٹ بولوں پھر؟

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پھر ریلا۔ وہ ریل پیل کہ میاں خوجی کے پنتھر ہی بگڑ گئے۔ رپٹ وپٹ سب بھولے اور کوئی بیس قدم پیچھے ہو گئے۔ خیر بعد خرابی بصرہ، خدا خدا کر کے ٹکٹ ملے اور جا کر ریل پر بیٹھے۔ ریل چلی تو میاں خوجی کو آزاد نے جگایا کہ اٹھیے جناب خواجہ صاحب! کانپور آ گیا۔

خوجی: واللہ! بھئی واہ ری ریل! ایک ہی مرتبہ کی پینک میں کانپور پہنچ گئے۔

معنی اور اشارے:

فِنَس	=	ڈولی کی طرح کی ایک سواری
فوق البھڑک	=	بھڑکیلا
عیّار	=	مکاّر
نہار منھ	=	صبح کے وقت بغیر ناشتہ کیے
طوطے پھڑک	=	طوطے کے رنگ کو مات کرنے والا گہرا ہرا
شہ گام جانا	=	بڑے بڑے قدم بڑھانا
آبِ رواں	=	بہت ہلکا اور نفیس سوتی کپڑا
کریلی	=	باریک چوڑی
بیس واڑہ	=	ایک علاقہ جہاں کے لوگ بڑے اونچے قد کے ہوتے ہیں۔
یاقوت احمر	=	سرخ رنگ کا قیمتی پتّھر جسے مانک کہتے ہیں۔
پڑاقے کی گوٹ	=	رنگ برنگی گوٹ

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) ''فسانۂ آزاد'' کا مصنف کون ہے

(a) رتن ناتھ سرشار
(b) نذیر احمد
(c) پریم چند
(d) مرزا محمد ہادی رسوا

(2) سرشار کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی
(b) لکھنؤ
(c) آگرہ
(d) علی گڑھ

(3) ''خوجی'' کس ناول کا مشہور کردار ہے؟

(a) امراؤ جان
(b) فسانۂ آزاد
(c) ابن الوقت
(d) مرآۃ العروس

(4) سرشار کس خاندان سے تعلق رکھتیت ھے؟

(a) کشمیری خاندان
(b) پنجابی خاندان
(c) گجراتی خاندان
(d) مراٹھی خاندان

مختصرترین سوالات (Very short type questions) :

(1) سرشار کہاں پیدا ہوئے؟

(2) ''فسانۂ آزاد'' کے سب سے مشہور کردار کا نام بتائیے؟

(3) سرشار کے ناول کا کیا نام ہے؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) مہری کے سراپے کی خوبیاں بتائیے؟

(2) سرشار کے اندازِ بیان پر روشنی ڈالیے؟

(3) پہلے اقتباس میں آزاد نے کس کردار کا ذکر کیا ہے؟

(4) فسانۂ آزاد کس اخبار میں قسط وار شائع ہوتا تھا؟

(5) خوجی نے بابو سے کیا کہا؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) مندرجہ ذیل اقتباس کو پڑھ کر نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب لکھیں:

''دستور کے مطابق تعلیم و تربیت عربی فارسی اور اردو میں ہوئی۔ ادب اور شعر و سخن سے انھیں فطری لگاؤ تھا۔ اس وقت لکھنؤ میں کئی ادبی رسالے نکل رہے تھے مراسلۂ کشمیر اور اودھ پنچ سرشار

کے بہترین نمونے ہیں۔ سرشار کی ادبی زندگی کا آغاز اودھ پنچ سے ہوا۔ سرشار اودھ پنچ کے ایڈیٹر بھی رہے جس کی وجہ سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔"

(i) سرشار کی تعلیم کس زبان میں ہوئی؟

(ii) سرشار کس رسالے کے ایڈیٹر تھے؟

(iii) سرشار کی ادبی زندگی کا آغاز کس سے ہوا؟

(iv) سرشاسر کو فطری لگاؤ کس سے تھا؟

(2) پنڈت رتن ناتھ سرشار کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

(3) نصاب میں شامل "ریل کا سفر" کا خلاصہ لکھیے؟

(4) نصاب میں شامل سبق "مہری کا سراپا" کا خلاصہ لکھیے؟

سبق [7]   خواجہ الطاف حسین حآلی

مختصر سوانح

(1) نام : الطاف حسین

(2) تخلّص : حآلی

(3) ولادت : **1837**ء پانی پت

(4) وفات : **31** دسمبر **1914**ء دہلی

(5) استاد : مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

(6) تصانیف : مجالس النسا، حیاتِ سعدی، یادگارِ غالبؔ، مقدمۂ شعروشاعری، حیاتِ جاوید وغیرہ۔

اردو ادب میں خواجہ الطاف حسین حآلی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاعری، انشا پردازی، تنقید نگاری، سوانح نگاری کے ساتھ ہی خاکہ نگاری کے فن میں حآلی کو مہارت حاصل ہے۔

حآلی کی پیدائش **1837**ء میں ہوئی جب نو برس کے ہوئے تو والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ پہلے ہی بیمار رہا کرتی تھیں اور کچھ عرصے بعد وہ بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ اس لیے حالی کی تعلیم و تربیت اور نگرانی کا فرض بڑی بہنوں اور بھائیوں نے ادا کیا۔ چار برس چار مہینے کی عمر میں ہی حافظ ممتاز حسین سے قرآن شریف پڑھنے لگے۔ نو عمری میں ہی حالی کی شادی ہو گئی لیکن ان کے دل میں علم حاصل کرنے کی لگن برقرار رہی

1854ء میں پانی پت سے دلی چلے آئے لیکن جلد ہی گھر والوں کے دباؤ پر دِلّی سے لوٹ گئے۔ **1862**ء میں دوبارہ دِلّی آ گئے اس زمانے میں دِلّی میں بڑے بڑے شعرا اور ادبا موجود تھے اور وہاں شعر و ادب کا بہت چرچا تھا۔ یہیں غالبؔ سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ غالبؔ کے شاگرد ہو گئے۔ غالب کی وفات کے بعد حالیؔ نے دِلّی چھوڑ دی اور لاہور جا کر انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کر لی۔ **1874**ء میں حالی نے آزاد کے ساتھ مل کر جدید شاعری کی بنیاد ڈالی۔ مولانا حالیؔ اپنے استاد کی شاعرانہ عظمت کے قائل تھے اور اس کا اعتراف کرتے ہوئے انھوں نے یادگارِ غالبؔ جیسی اہم کتاب تصنیف کی۔ اس کتاب میں انھوں نے جہاں غالبؔ کی زندگی کے مختلف گوشوں، ان کے مزاج وطبیعت اور ان کے عہد کے سیاسی و سماجی، تہذیبی وثقافتی حالات کی عکاسی کی وہیں ان کی اردو فارسی کے اشعار کا بھی جائزہ لیا۔ یہ کتاب غالب شناسی کے باب میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔

نصاب میں شامل سبق ''مرزا غالب کے حالات'' ان کی اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اس سبق کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ حالی کی نثر میں سادگی اور صفائی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان کی نثر میں روانی اور سلاست کے ساتھ متانت اور سنجیدگی بھی پائی جاتی ہے۔

مرزا غالبؔ کے حالات

صورت شکل

اہل دہلی میں سے جن لوگوں نے مرزا کو جوانی میں دیکھا تھا، ان سے سنا گیا ہے کہ عُنفوانِ شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین اور خوش رو لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے اور بُڑھاپے میں بھی جب کہ راقم نے پہلے ہی بار ان کو دیکھا ہے، حسانت اور خوبصورتی کے آثار ان کے چہرے اور قد و قامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ مگر اخیر عمر میں قِلّتِ خوراک اور امراضِ دائمی کے سبب وہ نہایت نحیف و نزار ہو گئے تھے، لیکن چوں کہ ہاڑ بہت چکلا، قد کشیدہ اور ہاتھ پاؤں زبردست تھے، اس حالت میں بھی وہ ایک نو وارد تورانی معلوم ہوتے تھے۔

اولاد

مرزا صاحب کے اولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچّے پے در پے ہوئے، مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔ اس لیے ایک مُدّت سے وہ اور ان کی بی بی تنہا زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر غدر سے چند سال پہلے جب کہ ان کی بی بی کے بھانجے زینُ العابدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا اور ان کے دونوں بچّے ایک باقر علی خاں اور دوسرے حسین علی خان صغیرِ سِن رہ گئے تو مرزا اور ان کی بی بی نے چھوٹے لڑکے حسین علی خاں کو جو اس وقت بہت کم عمر

تھا، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ مرزا، حسین علی خاں کو حقیقی اولاد سے بھی کچھ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے اور کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے اور حد سے زیادہ ناز برداری کرتے تھے۔

جب زین العابدین خان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علی خاں کے بڑے بھائی باقر علی خاں کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ دونوں خوش فکر اور اہل اور نیک خو اور نہایت شریف مزاج تھے۔ مگر افسوس ہے کہ مرزا کی وفات کے بعد دونوں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے جوان عمر میں فوت ہو گئے۔

حالاتِ غدر

غدر کے زمانے میں مرزا دلّی سے، بلکہ گھر سے باہر نہیں نکلے۔ جوں ہی بغاوت کا فتنہ اٹھا، انھوں نے دروازہ بند کر لیا اور گوشۂ تنہائی میں غدر کے حالات لکھنے شروع کیے۔ اگر چہ فتحِ دہلی کے بعد مہاراجہ پٹیالہ کی طرف سے حکیم محمود خاں مرحوم اور ان کے ہمسایوں کے مکان پر جس میں ایک مرزا بھی تھے حفاظت کے لیے پہرہ بیٹھ گیا تھا، اس لیے وہ فتح مند سپاہیوں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہے۔ مگر پھر ان کو طرح طرح کی کلفتیں اٹھانی پڑیں۔ مرزا کے چھوٹے بھائی جو تیس برس کی عمر میں دیوانے ہو گئے تھے اور اخیر دم تک اسی حالت میں رہے۔ جب مرزا نے دلّی میں سکونت اختیار کی، تو ان کو بھی اپنے ساتھ یہیں لے آئے تھے۔ مرزا کے مکان سے ان کا مکان تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ ایک دربان اور ایک کنیز کہ دونوں عمر رسیدہ تھے، ان کے پاس رہتے تھے۔ جب دِلّی فتح ہو گئی اور شہر اہل دہلی سے خالی ہو گیا اور رَستے بند ہو گئے، اس وقت مرزا بھائی کی

طرف سے سخت پریشان رہنے لگے۔ بھائی کے کھانے پینے، سونے مرنے اور جینے کی مطلق خبر نہ تھی۔ ایک روز یہ خبر آئی کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی کچھ سپاہی گھس آئے تھے اور جو کچھ اسباب ملا، لے گئے۔ پھر ایک دن وہی بُڈّھا دربان جو مرزا یوسف کی ڈیوڑھی پر رہتا تھا، یہ خبر لایا کہ پانچ روز سخت تپ میں مبتلا رہ کر آج آدھی رات گزرے، مرزا یوسف کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت نہ کفن کے لیے کپڑا بازار میں مل سکتا تھا، نہ غسّال اور گورکن کا کہیں پتا تھا، نہ شہر سے قبرستان تک جانا ممکن تھا، مگر مرزا کے ہمسایوں نے ان کی بڑی مدد کی۔ پٹیالے کی فوج کے ایک سپاہی کو جو حفاظت کے لیے تعینات تھا، اور مرزا کے دو آدمیوں کو ساتھ لیا اور مرزا صاحب کے ہاں سے دو سفید چادریں لے کر مرزا یوسف کے مکان پر پہنچے اور بعد غسل اور تجہیز و تکفین کے، مسجد کے صحن میں، جو مکان کے قریب تھی، دفن کر دیا۔

چونکہ اس وقت مسلمانوں سے شہر خالی ہوگیا تھا، مرزا کے ہندو دوستوں کے سوا، جو ان کے پاس برابر آتے رہتے تھے اور ہر طرح سے ان کی غم خواری کرتے تھے، کوئی ان کا غم خوار نہیں رہا تھا۔ مرزا کی معاش کے صرف دو ذریعے تھے: سرکاری پنشن اور قلعے کی تنخواہ، سو یہ دونوں ذریعے مسدود ہو گئے تھے۔ شہر کے تمام مسلمان عمائد جو مرزا کے دوست اور عزیز تھے، اپنی اپنی حالت میں گرفتار تھے۔ اس کے سوا گھر میں جس قدر بی بی کے پاس زیور یا اور کوئی قیمتی چیز تھی، جب شہر لٹنے لگا تو وہ دوسری جگہ گاڑنے دابنے کے لیے بھیج دیا، جہاں سے فتح مند سپاہ نے کھود کر سب نکال لیا۔ مرزا نے اس تنگی اور عسرت کی حالت میں بھی اپنے متعدّد نوکروں میں

سے کسی کو جواب نہیں دیا اور جو حالت ان پر اور ان کے متعلقین پر خوش و ناخوش گزری، اس میں نوکر بھی برابر شریک رہے۔نوکروں کے علاوہ جن لوگوں کے ساتھ مرزا امن کے زمانے میں ہمیشہ سلوک کرتے تھے، وہ اس حالت میں بھی مرزا کو ستاتے تھے اور چار ناچار ان کی بھی مرزا کو خبر لینی پڑتی تھی۔ مرزا لکھتے ہیں کہ اس ناداری کے زمانے میں جس قدر کپڑا، اوڑھنا اور بچھونا گھر میں تھا، سب بیچ بیچ کر کھا گیا۔ گویا اور لوگ روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا۔

حسنِ بیان اور ظرافت

مرزا کی تقریر میں ان کی تحریر اور ان کی نظم ونثر سے کچھ کم لطف نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے، مگر جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا تھا، لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوانِ ناطق کے حیوانِ ظریف کہا جائے تو بجا ہے۔حسنِ بیان، حاضر جوابی اور بات میں سے بات پیدا کرنا ان کی خصوصیات میں سے تھا۔

لطیفہ

ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا: ''مرزا! تم نے کتنے روزے رکھے؟'' عرض کیا: ''پیر و مرشد! ایک نہیں رکھا۔''

لطیفہ

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اٹھتے تھے، وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا اور اس کے ایک جانب ایک کوٹھری تنگ و تاریک تھی، جس کا در اس قدر چھوٹا تھا کہ کوٹھری میں بہت جھک کر جانا پڑتا تھا۔ اس میں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا اور مرزا اکثر گرمی اور لو کے موسم میں دس بجے سے تین چار بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن جب کہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا، مولانا آزردہ ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے کو چلے آئے۔ اس وقت مرزا صاحب اسی کوٹھری میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہنچے اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مُقیّد رہتا ہے، مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہو گیا۔ مرزا نے کہا: "قبلہ! حدیث بالکل صحیح ہے، مگر آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مُقیّد رہتا ہے، وہ یہی کوٹھری تو ہے"!

لطیفہ

ایک دن دیوان فضل اللہ خاں مرحوم چرٹ میں سوار، مرزا کے مکان کے پاس سے بغیر ملے نکل گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو انھوں نے ایک رقعہ دیوان جی کو لکھا۔ مضمون یہ ہے کہ "آج مجھ کو اس قدر ندامت ہوئی ہے شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا نالائقی ہو سکتی ہے کہ آپ کبھی نہ کبھی تو اس طرف سے گزریں اور میں سلام کو حاضر نہ ہوں؟ جب یہ رقعہ دیوان جی کے پاس پہنچا، وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اُسی

وقت گاڑی میں سوار ہو کر مرزا صاحب سے ملنے کو آئے۔

لطیفہ

حکیم رضی الدین خاں، جو مرزا کے نہایت دوست تھے، ان کو آم نہیں بھاتے تھے، ایک دن وہ مرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے اور مرزا بھی وہیں موجود تھے۔ ایک گدھے والا اپنے گدھے لیے ہوئے گلی سے گزرا۔ آم کے چھلکے پڑے تھے، گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیے۔ حکیم صاحب نے کہا: دیکھیے، آم ایسی چیز ہے، جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ مرزا نے کہا: ''بے شک، گدھا نہیں کھاتا۔''

معنی اور اشارے:

حُسانت = خوبصورتی

عُنفوانِ شاب = جوانی کا آغاز

راقم = لکھنے والا

نحیف ونزار = دبلا، کمزور، لاغر

عاطفت = مہربانی، عنایت

غدر = اس لفظ کے صحیح معنی ہیں: ملک یا قوم کے ساتھ دغا بازی کرنا۔ خاص کر جب اس میں سپاہیوں یا فوج کی طرف سے دغا بازی اور ہتھیار اُٹھانا شامل ہو۔ **1857**ء میں جب ہندوستانیوں نے انگریزوں کے خلاف اپنی آزادی کا علَم بلند کیا تو انگریزوں نے اسے **Mutiny** کا نام دیا۔

عُسرت = دشواری، تنگی

چرٹ = دو پہیوں کی کھلی گاڑی ۔ یہ لفظ انگریزی **Chariot** سے بنا ہے۔اس کی اک شکل **charet** بھی ہے۔

عمائد = یہ لفظ ''عمید'' کی جمع ہے۔عربی میں اس کے معنی ہوتے ہیں: ستون یا کھمبا جس

پر کوئی چیز قائم ہو۔اس اعتبار سے عمید اور عمائد کے معنی ہوئے: رئیس اور باحیثیت لوگ۔

حیوانِ ناطق = حیوانِ ناطق کے معنی ہیں: وہ جاندار جو الفاظ کے ذریعے بول سکتا ہو۔

حیوانِ ظریف = انسان کی یہ تعریف پرانے یونانیوں اور عربوں نے منسوب ہے۔ مرزا غالب چونکہ بہت ہنسوڑ شخص تھے اس لیے حالؔی کہتے ہیں کہ ان کو حیوانِ ظریف یعنی وہ جاندار کہا جائے جو ہنس سکتا ہے۔

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) مولانا حالؔی کی پیدائش کہاں ہوئی ؟

(a) لکھنؤ
(b) دہلی
(c) گورکھپور
(d) پانی پت

(2) اردو میں جدید شاعری کی بنیاد کس نے ڈالی؟

(a) غالبؔ اور میرؔ
(b) سوداؔ اور دردؔ
(c) آزادؔ اور حالؔی
(d) فراقؔ اور فیضؔ

(3) اردو میں تنقید نگاری کا بانی کون ہے؟

(a) مولانا حالؔی
(b) مولانا آزاد
(c) شبلؔی نعمانی
(d) کلیم الدین احمد

(4) مسدس حالی کس کی تصنیف ہے؟

(a) حالؔی
(b) آزادؔ
(c) شبلؔی
(d) اقبالؔ

(5) یادگارِ غالب کے مصنف کا نام بتائیے۔

(a) آزاد
(b) شبلؔی
(c) غالبؔ
(d) حالؔی

(6) شاعری میں حالؔی کے استاد کون تھے؟

(a) فاروقؔی
(b) ذوقؔ
(c) داغؔ
(d) غالبؔ

(7) حالؔی کے معاصرین میں نہیں ہیں:

(a) فراقؔ گورکھپوری
(b) شبلؔی نعمانی
(c) سرسیدؔ
(d) نذیر احمد

مختصر ترین سوالات (Very short type questions) :

(1) یادگارِ غالبؔ کے مصنف کون ہیں؟

(2) زینُ العابدین خاں عارف سے مرزا غالبؔ کا کیا رشتہ تھا؟

(3) حالؔی کی پیدائش اور وفات کب ہوئی؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) مرزا غالبؔ کی صورت اور شکل کے متعلق حالی نے کیا فرمایا ہے؟ مختصراً لکھیے ؟

(2) سبق مرزا غالبؔ کے حالات حالی کے کس کتاب سے ماخوذ ہے؟

(3) نصاب میں شامل سبق سے غالبؔ کا کوئی ایک لطیفہ لکھیے ؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) مندرجہ ذیل کا مطلب اپنی آسان زبان میں سیاق وسباق کے ساتھ لکھیے :

''چوں کہ اس وقت مسلمانوں سے شہر خالی ہو گیا تھا، مرزا کے ہندو دستوں کے سوا، جو ان کے پاس برابر آتے رہتے تھے اور ہر طرح سے ان کی غم خواری کرتے تھے: کوئی ان کا غم خوار نہیں رہا تھا۔ مرزا کی معاش کے صرف دو ذریعے تھے: سرکاری پنشن اور قلعے کی تنخواہ، سو یہ دونوں ذریعے مسدور ہو گے تھے شہر کے تمام مسلمان عمائد جو مرزا کے دوست اور عزیز تھے اپنی اپنی حالت میں گرفتار تھے۔ اس کے سوا گھر میں جس قدر بی بی کے پاس زیور یا اور کوئی قیمتی چیز تھی، جب شہر لٹنے لگا تو وہ دوسری جگہ گاڑنے دابنے کے لیے بھیج دیا۔ جہاں سے فتح مند سپاہ نے کھود کر سب نکال لیا۔''

(2) شاملِ نصاب مضمون کی روشنی میں حالیؔ کی سوانح نگاری پر ایک نوٹ لکھیے ؟

حصّۂ شعر و نظم

غزل

غزل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا یا محبوب سے عشق و رومان کی باتیں کرنے کے ہیں۔ غزل اُس پرسوز آواز کو بھی کہتے ہیں جو شکار ہوئے ہرن کے منھ سے نکلتی ہے۔

ابتدا میں غزل میں حسن و عشق کی باتیں کی جاتی تھیں، لیکن تغیُّر زمانہ کے ساتھ اخلاقیات، تصوف، فلسفہ، حالات زمانہ اور دیگر سماجی سیاسی اور ذاتی مسائل کو بھی غزل میں داخل کیا جانے لگا، جس کی وجہ سے اس میں رنگا رنگی اور تنوع پیدا ہوا۔ غزل نے ذات و کائنات کے عموماً بیشتر معاملات و مسائل کی ترجمانی کی اور ہر طبقے کے جذبات واحساسات کا خیال رکھا جس کے باعث اس کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی میں روز بہ روز اضافہ ہوتا رہا۔

غزل کے تعلق سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس کی ابتدا قصیدے سے ہوئی۔ عربی قصیدے کے آغاز میں کچھ عاشقانہ اور بہاریہ اشعار کہے جاتے تھے۔ ان اشعار کو تشبیب یا نسیب کہتے ہیں۔ جب ایران میں قصیدہ نگاری کا رواج ہوا تو وہاں کے قدیم شعرا نے قصیدے کے اس حصّے سے استفادہ کرتے ہوئے

ایک نئی صنف کی بنیاد ڈالی جو غزل کے نام سے موسوم ہوئی۔

قصیدہ کی طرح غزل کی شروعات بھی مطلع سے ہوتی ہے۔ مطلع اُس شعر کو کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں۔ کچھ مطلع ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں ردیف نہیں ہوتی ایسی غزل جو ردیف سے آزاد ہوتی ہے اس کو غیر مردف غزل کہا جاتا ہے۔

غزل میں ایک مطلع سے زیادہ بھی مطالعے ہو سکتے ہیں۔ غزل کے دوسرے مطلع کو مطلعِ ثانی اور تیسرے مطلع کو مطلعِ ثالث کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بعض ایسی غزلیں بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں جن میں صرف مطلع ہی ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ غزل کے لیے مطلع کی تعداد کی پابندی کوئی ضروری نہیں۔ غزل میں مطلع کے بعد جو شعر آتا ہے، اس کو حسنِ مطلع کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ غزل کے دوسرے مطلع کو حسن مطلع کہتے ہیں جو درست نہیں۔ علمائے ادب کی اکثریت اس بات سے اتفاق رکھتی ہے کہ مطلع کے بعد کے شعر کو حسنِ مطلع کہا جاتا ہے۔ غزل کے آخری شعر جس میں شاعر اپنے تخلص کا اظہار کرتا ہے، مقطع کہلاتا ہے۔

ہر غزل کسی نہ کسی بحر اور قافیہ و ردیف کی پابند ہوتی ہے، جس کو غزل کی زمین سے تعبیر کرتے ہیں۔ زمین طبع زاد بھی ہوسکتی ہے اور غیر طبع زاد بھی۔ بعض شعرا نے اساتذہ کی زمینوں میں بھی غزلیں کہہ کر دادِ سخن حاصل کی ہے۔

غزل کی صنفی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر شعر جداگانہ معنی کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی عام طور سے غزل کے

اشعار میں معنوی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔غزل میں بعض موقع سے کچھ اشعار ایسے بھی تخلیق ہو جاتے ہیں جو معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، ایسے اشعار کے شروع میں ''ق'' لکھ دیا جاتا ہے ۔جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ اشعار قطعہ بند ہیں اور ان کی تفہیم جداگانہ طور پر نہیں کی جاسکتی ہے۔ کچھ ایسی غزلیں بھی ہوتی ہیں، جن میں معنوی تسلسل پایا جاتا ہے جنھیں غزلِ مسلسل سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کے نمونے بہت کم ملتے ہیں۔

غزل میں اشعار کے تعداد کی بھی کوئی قید نہیں ہوتی۔کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ انیس اشعار کی غزل کو بہتر سمجھا جاتا ہے، لیکن قادرالکلام شعرا نے اس سے زیادہ بھی اشعار کہہ کے اپنی تخلیقی صلاحیت کا اظہار کیا ہے۔

اردو میں ابتدا ہی سے غزل کے نمونے ملتے ہیں۔اردو کے اولین صاحب دیوان شاعر قلی قطب کے دیوان میں وافر تعداد میں غزلیں موجود ہیں۔اردو غزل کو مخصوص اسلوب سے آشنا کرنے والے شاعر ولی دکنی ہیں، جن کی شاعرانہ عظمت کو دیکھتے ہوئے انھیں اردو شاعری کا بابائے آدم کہا جاتا ہے۔غزل کو زبان و بیان کے اعتبار سے مایہ دار بنانے میں میرتقی میر کی خدمات لاجواب ہیں۔ وہ غزل کے معتبر شاعر ہیں۔ان کو خدائے سخن کے نام سے جانا جاتا ہے۔خواجہ میر دردؔ، میر سوزؔ، مصحفیؔ، آتشؔ اور ناسخؔ نے بھی غزل کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔غزل کو معراج کمال تک غالبؔ نے پہنچایا۔ ان کی غزلیں فکر و فلسفہ کا حسین مرقع ہیں۔ان کے بعد غزل فکری اعتبار سے ایک نئے قالب میں ڈھل جاتی ہے

اوراس میں جدید خیالات وتصورات داخل ہونے لگتے ہیں۔

غزل کوجدید رنگ بخشنے والے شاعر حالؔی ہیں۔انھیں جدید غزل کا بانی کہا جاتا ہے۔غزل کی تاریخ میں داغؔ، امیر مینائیؔ اوراکبرؔالہ آبادی کے نام بھی قابل ذکر ہیں جنھوں نے غزل کی آبیاری میں اپنا خون جگرصرف کیا۔ان شعرا کے شاگردوں نے بھی غزل کی پرخلوص خدمت کی جن کی تعداد سیکڑوں میں تھی۔

جدید غزل کے اسلوب وفکر میں جن شعرا نے تنوع پیدا کیا ان میں اصغؔر گونڈوی، فانؔی بدایونی، حسرتؔ موہانی، جگؔر مرادآبادی اور شادؔعظیم آبادی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔اقبال نے بھی غزل کے مزاج اورمنہاج کو بدلنے میں اہم کارنامہ انجام دیا۔ترقی پسند دور میں اگرچہ غزل کو جاگیردارنہ نظام کی پروردہ صنف قرار دیا گیا، لیکن اس تحریک سے وابستہ شعرا نے بھی اپنے دور کے مسائل کی عکاسی کرتے ہوئے بہترین غزلیں کہیں۔ایسے شعرا میں مخدوم محی الدین، فیض احمد فیضؔ، مجروحؔ سلطان پوری، معین احسن جذبیؔ، ساحرؔ لدھیانوی، جاں نثار اخترؔ، مجازؔلکھنوی،اورعلی سردار جعفریؔ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ غزل کے دامن کومضامینِ نو سے گراں بار کرنے میں فراقؔ گورکھپوری اور یاسؔ یگانہ چنگیزی کی اہمیت بھی مسلم ہے۔

1955ء کے بعدغزل پھر نئے تیور اپناتی ہے اور یہاں سے نئی غزل کا آغاز ہوتا ہے جسے بعض ناقدین نے جدید تر غزل سے بھی موسوم کیا ہے۔اس دور کے شعرا میں ناصرؔ کاظمی، احمد فراز، خلیل الرحمٰن اعظمی، شہریارؔ، ندؔا فاضلی، پروین شاکرؔ، شکیب جلالی، ظفر اقبال، سلطان اختر، فضا ابن فیضی، صدیق مجیبی،

مظہؔر امام، عادل منصوری، بشیر بدر، عنبر بہرائچی، کرشن کمار طوؔر وغیرہ نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔غزل ایک ہر دل عزیز صنف ہے اس لیے ہر دور کے شعرا نے اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دی ہے۔

دورِ حاضر میں بھی غزل کہی جا رہی ہے اور موجودہ دور کے شعرا میں شہپر رسول، خورشید اکبر، عالم خورشید، ظفر صدیقی، احمد محفوظ، مہتاب حیدر نقوی اور سراج اجملی وغیرہ کے نام خصوصی طور پر لیے جا سکتے ہیں۔

سبق (8) ولی محمد ولؔی دکنی

مختصر سوانح

(1) نام : ولی محمد

(2) تخلص : ولؔی

(3) وطن : اورنگ آباد

(4) ولادت : **1667**ء اورنگ آباد

(5) وفات : **1720**ء احمد آباد

(6) استاد کا نام : ابتدا میں شیخ نورالدین، بعد میں مشہور صوفی شاہ سعداللہ گلشن کے شاگرد ہوئے۔

ولؔی کے نام اور وطن کے متعلق عرصۂ دراز سے اہل دکن اور اہل گجرات کے درمیان بحث چل رہی ہے۔ اہلِ دکن کی تحقیق کے مطابق ولی کا صحیح نام ولؔی محمد تھا اور ان کا اصل وطن اورنگ آباد اور اہل گجرات کے مطابق ان کا وطن احمد آباد تھا۔ بہرکیف، ولؔی کی پیدائش **1667**ء کو اورنگ آباد میں ہوئی، ان کے والد کا نام شریف محمد تھا۔ ولی ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے شیخ نورالدین سے تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مشہور صوفی شاہ سعداللہ گلشن کے مرید ہوئے۔

شاہ سعد اللہ گلشن نے ولیؔ کو دو مشورے دیے۔ پہلی بات یہ کہ دکنی الفاظ کا استعمال کم کرو اور ان کی جگہ فارسی کے شیریں الفاظ کا انتخاب کرو۔ دوسری بات یہ کہ فارسی شاعری میں جو مضامین موجود ہیں انھیں اپنی زبان میں ادا کرو۔ یہ دونوں مشورے اردو شعر و ادب کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوئے۔

ولیؔ کی غزل میں صوفیانہ اور عاشقانہ مضامین کہیں گہرے فلسفیانہ یا سنجیدہ رنگ میں بیان کیے گئے ہیں اور کہیں انھیں نسبتاً آسان طریقے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ولیؔ کی زبان قدیم اردو (یعنی دکنی) اور متوسط اردو (یعنی میرؔ، سوداؔ کی اردو) کے درمیان ایک پل کا درجہ رکھتی ہے۔ یوں تو ان کی زبان سادہ اور سہل ہے لیکن اس سادگی میں بھی ایک حسن ہے اور اسی باعث میرؔ نے ولیؔ کو ریختہ کا استاد اور محمد حسین آزاد نے انھیں اردو شاعری کا بابا آدم کہا ہے۔ ولیؔ کی وفات **1720**ء اور **1725**ء کے درمیان احمد آباد میں ہوئی۔

-----

(1)

آج دِستا ہے حال کچھ کا کچھ
کیوں نہ گزرے خیال کچھ کا کچھ

دلِ بے دل کوں آج کرتی ہے
شوخ چنچل کی چال کچھ کا کچھ

مجکوں لگتا ہے اے پری پیکر
آج تیرا جمال کچھ کا کچھ

اثرِ بادۂ جوانی ہے
کر گیا ہوں سوال کچھ کا کچھ

اے ولؔی دل کوں آج کرتی ہے
بُوے باغِ وصال کچھ کا کچھ

معنی اور اشارے:

بے دل = دل گیر، دل برداشتہ

جمال = حُسن

بادہ = شراب

دِستا = دکھائی دینا

مجکوں = مجھ کو کی دکنی شکل

وصال = وصل، ملاقات، آپس میں مل جانا

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) ولؔی دکنی کس صوفی شاعر کے مرید ہوئے؟

(a) غالبؔ (b) میرؔ

(c) شاہ سعداللہ گلشن (d) اقبال

(2) ولؔی نے گجرات سے باہر مختلف مقامات کا سفر کیا ان میں سے مشہور شہر کا نام بتائیے؟

(a) دلّی (b) عظیم آباد

(c) پنجاب (d) لکھنؤ

(3) آج دِستا ہے حال کچھ کا کچھ   کیوں نہ گزرے خیال کچھ کا کچھ

اس شعر کا خالق کون ہے؟

(a) میرؔ   (b) ولیؔ

(c) دردؔ   (d) غالبؔ

(4) ولیؔ دکنی نے اپنی غزل میں کس طرح کی زبان کا استعمال کیا ہے؟

(a) برج بھاشا   (b) قدیم دکنی

(c) اودھی   (d) ان میں سے کوئی نہیں

(5) ولیؔ کے سنہ پیدائش کیا ہے؟

(a) 1635ء   (b) 1707ء

(c) 1600ء   (d) 1800ء

مختصرترین سوالات (Very short type questions):

(1) ولیؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(2) اردو شاعری کا بابا آدم کسے کہا جاتا ہے؟

(3) میرؔ نے ریختہ کا استاد کسے کہا ہے؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) غزل پر ایک مختصر نوٹ لکھیے؟

(2) ترکیب کسے کہتے ہیں؟ مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے؟

(3) ولیؔ دکنی کے حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) ولیؔ کس کے شاگرد تھے؟

(2) مجکوں لگتا ہے اے پری پیکر آج تیرا جمال کچھ کا کچھ

اس شعر کی تشریح کیجیے اور ساتھ ہی ساتھ دکنی الفاظ جو اب متروک ہو چکے ہیں ان کی نشاندہی کیجیے؟

(3) شاہ سعد اللہ گلشنؔ نے ولیؔ کو کیا مشورے دیے؟

سبق (9) مرزا محمد رفیع سوداؔ

مختصر سوانح

(1) نام : مرزا محمد رفیع سوداؔ
(2) تخلص : سوداؔ
(3) وطن : دلّی
(4) ولادت : **1713**ء دلّی
(5) وفات : **1781**ء لکھنؤ
(6) استاد کا نام: شاہ حاتمؔ

سوداؔ دِلّی میں **1713**ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم اور تربیت اپنے زمانے کے مطابق اعلیٰ درجہ کی تھی۔ سوداؔ کا شمار اپنے عہد کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ سوداؔ کی محنت نے جلد ہی ان کو بڑا شاعر بنا دیا۔ شاہ عالم بادشاہ نے ان کی شہرت سن کر ان کو اپنا استاد بنا لیا اور کلام پر اصلاح لینے لگے، لیکن بدقسمتی سے دلّی تباہ ہوگئی۔ دلّی پر جب برا وقت پڑا تو اس سے سوداؔ بھی متاثر ہوئے مجبوراً ان کو

دلّی چھوڑنی پڑی۔ کئی سال وہ فرخ آباد میں رہے اور اس کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ لکھنؤ میں آصف الدّولہ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی اور ان کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ وہ آخر وقت تک لکھنؤ ہی میں رہے اور **1781**ء میں وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

سوؔدا قصیدے کے عظیم شاعر ہیں لیکن انھوں نے مراثی اور غزلیں بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی غزلوں میں زبان کی لطافت، خیال کی بلندی اور جذبات کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ ان کا شمار اٹھارویں صدی کے اہم غزل گویوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اثر انگیز غزلیں کہی ہیں۔ اُن کی غزلوں میں مضامین کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے، جن میں تغزل، اخلاقیات اور تصوف اور ستم ہائے روزگار وغیرہ سبھی شامل ہیں۔

-----

(1)

جو گُزری مجھ پہ مت اس سے کہو، ہُوا سو ہُوا

بَلا کُشانِ محبت پہ جو، ہُوا سو ہُوا

مباد ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر

مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہُوا سو ہُوا

پہنچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک، یارو

کوئی سیو، کوئی مرہم رکھو، ہُوا سو ہُوا

یہ کون حال ہے، احوالِ دل پہ اے آنکھو

نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہُوا سو ہُوا

دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے سوؔدا

پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہُوا سو ہُوا

معنیٰ اور اشارے:

ہُوا سو ہُوا	=	جو ہونا تھا سو ہو گیا
بلاکش	=	مصیبت برداشت کرنے والا
مباد	=	کہیں ایسا نہ ہو
گریباں گیر	=	گریباں پکڑنے والا
تلک	=	تک
سرِ زخم	=	زخم کی گہرائی
احوال	=	حال کی جمع۔ اردو میں بطورِ واحد بھی مستعمل ہے۔

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions):

(1) مرزا محمد رفیع سوداؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دِلّی 1713ء　　(b) کانپور 1877ء

(c) کراچی 1816ء　　(d) لکھنؤ 1865ء

(2) قصیدے کا سب سے بڑا شاعر کسے مانا جاتا ہے؟

(a) ذوقؔ　　(b) سوداؔ

(c) دردؔ　　(d) کاظم علی

(3) سوداؔ کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) دہلی (b) لکھنؤ

(c) کانپور (d) آگرہ

(4) سوداؔ کس کے شاگرد تھے؟

(a) شاہ حاتم (b) ولیؔ

(c) ملا وجہیؔ (d) میرؔ

مختصر ترین سوالات (Very short type questions):

(1) کس بادشاہ نے سوداؔ کو اپنا استاد بنایا؟

(2) سوداؔ دلّی چھوڑنے کے بعد کہاں گئے؟

(3) نواب نے سوداؔ کے لیے کیا مقرر کر دیا تھا؟

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) سوداؔ نے غزل کے علاوہ اور کس کس صنف میں طبع آزمائی کی؟

(2) آپ کے بزرگ کہاں سے آئے تھے؟

(3) سوداؔ کی غزلوں میں کون کون سے مضامین پائے جاتے ہیں؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) درجِ ذیل اشعار کی تشریح ضروری حوالے کے ساتھ کیجیے:

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو، ہُوا سو ہُوا
بلاکُشانِ محبت پہ جو، ہُوا سو ہُوا

یہ کون حال ہے، احوالِ دل پہ اے آنکھو
یہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہُوا سو ہُوا

(2) سوداؔ کے کلام کی خوبیاں بتائیے؟

(3) سوداؔ کے حالاتِ زندگی بیان کیجیے؟

سبق (10) خواجہ میر دردؔ

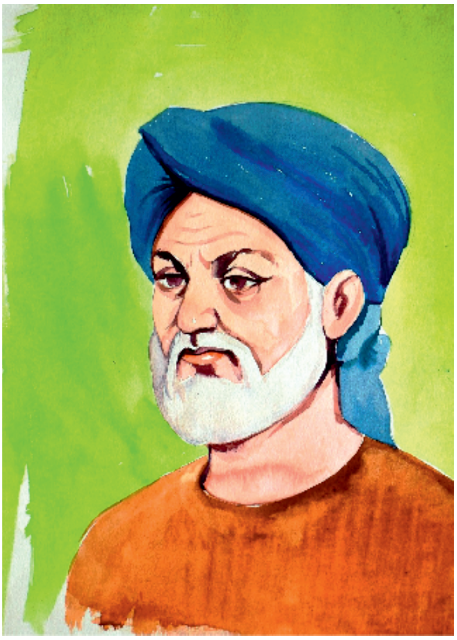

مختصر سوانح

(1) نام : خواجہ میر درد

(2) تخلص : دردؔ

(3) وطن : دہلی

(4) ولادت : **1721**ء دہلی

(5) وفات : **1784**ء دہلی

(6) استاد کا نام : خواجہ محمد ناصر عندلیب

خواجہ میر دردؔ یکم اکتوبر **1721**ء کو دہلی کے ایک معزز و محترم خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب اپنے زمانے کے فارسی کے ممتاز عالم، شاعر اور صوفی تھے۔ اُنھیں کی سرپرستی میں درد کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ دردؔ نے اپنے والد ہی کا وطیرہ اپنایا اور صوفیانہ زندگی اختیار کی۔ دنیا داری سے اُنھیں ذرا بھی رغبت نہ تھی۔ درویشی، قلندری، قناعت اور استغنا ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔

دردؔ کی شاعری اپنے عہد کی عکاس بھی ہے اور رہنما بھی۔ درد کے عہد کی دہلی بدامنی اور آشفتہ حالی کا شکار تھی۔ بہت سارے امرا، شرفا، اہل فضل و کمال اور شعرا نے دہلی کو خیر باد کیا اور دوسرے شہروں میں پناہ لی لیکن ایسے مشکل وقت میں بھی دردؔ نے صبر اور یقین کا دامن تھامے رکھا اور اپنی شاعری کے ذریعہ صفائے قلب اور عظمتِ انسانی کا درس دیتے رہے۔ درحقیقت دردؔ کی شاعری کا خمیر عشقِ حقیقی اور توحید و معرفت سے اٹھا ہے۔ اس لیے مخلوق کے رشتہ کو شفّاف، مقدّس اور مضبوط بنانے کا کام کرتی ہے۔ حالانکہ ان کی شاعری میں تصوف کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی اشعار ملتے ہیں لیکن ان کی پہچان ایک صوفی شاعر کی ہی ہے۔ تصوف اور شاعری کے علاوہ دردؔ کو موسیقی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ میر دردؔ کی وفات **1784**ء میں دہلی میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

-----

(1)

جی میں ہے سیرِ عدم کیجیے گا
یک بہ یک خَلق سے رَم کیجیے گا

مَوردِ قہر تو یاں ہم ہی ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجیے گا

سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا

گرمیِ اشک سے مانندِ شراب
آب و آتش کو بہم کیجیے گا

شدّتِ مہرِ بُتاں، دل سے آہ!
دردؔ، کس طرح سے کم کیجیے گا

-----

(2)

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

رکھتا ہوں ایسے طالعِ بیدار میں، کہ رات
ہم سایہ میرے نالوں کی دولت، نہ سو سکا

گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

دشتِ عدم میں جا کے، نکالوں گا جی کا غم
کُنجِ جہاں میں، کھول کے دل میں نہ رو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تَو بھی تو دردؔ! داغِ جگر کو نہ دھو سکا

معنی اور اشارے:

یک بیک	=	اچانک، دفعتاً
رم کرنا	=	دور بھاگ جانا
مَوردِ قہر	=	جس پر قہر نازل ہو
مہرِ بُتاں	=	بتوں کی محبت (مجازاً معشوقوں کی محبت)
خامہ	=	قلم
مانند	=	طرح
بہم	=	یک جا
طالعِ بیدار	=	جاگی ہوئی قسمت، خوش قسمتی
نالوں کی دولت	=	نالوں کی بدولت، نالوں کی وجہ سے
نارسا	=	بے اثر، پہنچنے سے قاصر
درگزر کرنا	=	چھوڑنا، پہلو بچانا
کُنج	=	کونا، گوشہ
اپنے تئیں	=	اپنے آپ کو
ٹُک	=	ذرا

عدم	=	موت
خلق	=	دنیا کے لوگ، مخلوق
اشک	=	آنسو
الفت	=	محبت
ہم سایہ	=	پڑوسی
نالوں	=	نالہ کی جمع، فریاد
دشتِ عدم	=	موت کا صحرا، مراد قبرستان

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) خواجہ میر دردؔ کی پیدائش کب ہوئی؟

(a) 1721ء　　(b) 1740ء

(c) 1745ء　　(d) 1760ء

(2) خواجہ میر دردؔ کا تعلق کیسے خاندان سے تھا؟

(a) شاہی　　(b) تاجر

(c) صوفی　　(d) کاشت کار

(3) دردؔ کا مدفن کس شہر میں ہے؟

(a) آگرہ   (b) لکھنؤ

(c) فیض آباد   (d) دہلی

(4) شاعری کے علاوہ دردؔ کو کس فن میں دخل تھا؟

(a) تجارت   (b) شہسواری

(c) موسیقی   (d) مصوری

مختصر ترین سوالات (Very short type questions):

(1) دردؔ کی وفات کب ہوئی؟

(2) دردؔ نے کس کی نگرانی میں اعلیٰ درجے کی تعلیم حاصل کی؟

(3) جب دلی پر برا وقت آیا تو کئی اہل کمال شہر چھوڑ کر کہاں گئے؟

(4) دردؔ کی شخصیت کے امتیازی پہلوؤں پر روشنی ڈالیے؟

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) دردؔ کی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالیے؟

(2) صوفیانہ شاعری کسے کہتے ہیں؟ اس کی روشنی میں دردؔ کی شاعری کا جائزہ لیجیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(الف)

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

(ب)

جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو دردؔ داغِ جگر نہ دھو سکا۔

(2) دردؔ کی زندگی پر مختصر روشنی ڈالیے؟

سبق (11) میرؔ تقی میرؔ

مختصر سوانح

(1) نام : میرؔ تقی میرؔ

(2) تخلص : میرؔ

(3) وطن : آگرہ

(4) ولادت : 1722ء آگرہ

(5) وفات : 1810ء لکھنؤ

(6) استاد کا نام : سراج الدین علی خاں آرزؔو

نام میر محمد تقی اور تخلص میرؔ تھا۔ اُن کے والد محمد علی اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے عوام میں علی متّقی کے نام سے مشہور تھے۔ میرؔ کی پیدائش 1722ء میں شہر آگرہ میں ہوئی۔ میرؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے علما سے حاصل کی۔ جب اُن کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تو میرؔ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کے سوتیلے بھائیوں نے اُن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ ایسے میں تلاش روزگار کے سلسلے میں انھوں نے شہر دہلی کا رخ کیا اور اپنے سوتیلے ماموسراج الدین علی خاں آرزؔو کے یہاں رہنے لگے۔ خان آرزو فارسی کے معتبر

شاعر اور عالم تھے۔ اُن کی صحبتوں سے میر کو بہت فائدہ پہنچا لیکن وہ اُن کے یہاں زیادہ دنوں تک قیام نہ کر سکے۔ ان کے یہاں سے جانے کے بعد وہ برسوں دہلی کی خاک چھانتے رہے۔ جب دہلی تباہ ہوئی تو **1782** ء میں لکھنؤ چلے آئے اور نواب آصف الدّ ولہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ میؔر نے اپنی زندگی کے آخری ایّام یہیں بسر کیے۔ لکھنؤ ہی میں **1810** ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

میؔر نے اپنے دور کی زیادہ تر مروجہ اصناف مثلاً مثنوی، مرثیہ، قصیدہ اور رباعی وغیرہ میں طبع آزمائی کی لیکن اُن کی شہرت غزل گوئی کی وجہ سے ہوئی۔ اردو میں اُن کے چھ دیوان موجود ہیں۔ اُن کی غزلوں میں مضامین کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ اُن کا اسلوب اتنا دلکش ہے کہ وہ قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ میؔر کی غزلوں میں نغمگی کا وفور ہے۔ اُن کی زبان سلیس و سادہ ہے۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ باتوں کو سادگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس کا اظہار انھوں نے مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے:

شعر میرے ہیں گو خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

میؔر اردو کے عظیم شاعر ہیں اور اُن کی عظمت کا اعتراف اُن کے زمانے میں بھی کیا گیا اور اُن کے بعد کے زمانے میں بھی۔ میؔر کے شاعرانہ مرتبہ کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ انھیں خدائے سخن اور ناخدائے سخن کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میؔر کی شاعری ایک مثالی شاعری ہے جس کی پیروی کو شاعروں نے اپنے لیے اعزاز کی بات سمجھا ہے۔

میرؔ کو عام طور پر رنج وغم کا شاعر مانا جاتا ہے۔ ان کی شاعری دل اور دلّی کا مرثیہ کہلاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کے کلام میں زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی عکاسی بھی بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔ ان کی شاعری بظاہر سادہ ہے مگر اس کے اندر بہت گہرائی ہے۔

-----

(1)

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دَوا نے کام کیا
دیکھا، اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

ساعدِ سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دِیے
بھولے اس کے قول وقسم پر، ہائے خیالِ خام کیا!

-----

(2)

ہستی اپنی حَباب کی سی ہے
یہ نمائش سَراب کی سی ہے

نازُکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

چشمِ دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میؔر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

مشکل الفاظ کے معنی:

تدبیریں	=	کوششیں
عہد	=	زمانہ
پیری	=	بڑھاپا
ناحق	=	بے وجہ
تہمت	=	الزام
عبث	=	بیکار
سپید وسیہ	=	انتظام
ساعد	=	کلائی
سیمیں	=	چاندی کی طرح خوبصورت
خیال خام	=	ایسا خیال جو غلط فہمی یا ناسمجھی کی بنا پر ہو
ہستی	=	حیات، زندگی
حباب	=	بلبلہ
نمائش	=	دکھاوا
سراب	=	دھوکا
لب	=	ہونٹ
چشم	=	آنکھ
نیم باز	=	آدھی کُھلی ہوئی

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) میرؔ کا پورا نام کیا تھا؟

(a) محمد تقی (b) محمد عثمان

(c) محمد اسلم (d) خان آرزو

(2) میرؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(a) مرشد عالم (b) محمد متقی

(c) محمد حسین (d) محمد علی

(3) میرؔ تقی میرؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دلّی (b) آگرہ

(c) لاہور (d) لکھنؤ

(4) میرؔ کس نواب کے دربار سے وابستہ رہے؟

(a) نواب آصف الدولہ (b) نواب سراج الدولہ

(c) نواب واجد علی شاہ (d) مرزا حاتم

(5) میرؔ نے شاعری کی کس صنف میں کمال حاصل کیا؟

(a) مرثیہ (b) قصیدہ

(c) غزل (d) مثنوی

(6) کس شاعر کو ''خدائے سخن'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟

(a) غالبؔ (b) میرؔ

(c) مومنؔ (d) داغؔ

(7) نازکی اس کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

یہ شعر کس شاعر کا ہے؟

(a) داغؔ دہلوی (b) مرزا غالبؔ

(c) میر تقی میرؔ (d) میر دردؔ

(8) ''ہستی اپنی حباب کی سی ہے'' اس مصرع میں کون سی صنعت استعمال کی گئی ہے؟

(a) تشبیہ (b) تضاد

(c) تلمیح (d) استعارہ

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) میرؔ کا انتقال کہاں ہوا؟

(2) میرؔ نے اپنی زندگی کے آخری ایّام کہاں بسر کیے؟

(3) میرؔ لکھنؤ کب گئے؟

(4) صنعت تشبیہ کی وضاحت مثال کے ساتھ کیجیے؟

(5) میرؔ کی غزلوں کا بنیادی موضوع کیا ہے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) میر تقی میرؔ کے حالاتِ زندگی تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے؟

(2) میر تقی میرؔ کے کلام کی فنّی خصوصیات بیان کیجیے؟

(3) مندرجہ ذیل اشعار میں سے کسی دو کی تشریح کیجیے:

(الف) الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

(ب) ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

(ج) نازُکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

(د) میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

سبق (12) خواجہ حیدر علی آتشؔ

مختصر سوانح

(1) نام : خواجہ حیدر علی

(2) تخلص : آتشؔ

(3) وطن : فیض آباد

(4) ولادت : 1778ء فیض آباد

(5) وفات : 1847ء لکھنؤ

(6) استاد کا نام : شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ

آتشؔ تخلص، خواجہ حیدر علی نام۔ دہلی کے ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد دہلی سے آ کر فیض آباد میں بس گئے۔ یہیں آتشؔ کی ولادت 1778ء میں ہوئی۔ کم سنی میں ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ان کی تعلیم پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ بعد میں عربی و فارسی کسی حد تک پڑھ لی تھی۔

آتشؔ نے خاندانی روش چھوڑ کر شاعری اختیار کی۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ کے شاگرد ہوئے اور اس فن میں کمال حاصل کیا۔ ان کی اس شاعرانہ صلاحیت نے انھیں نواب محمد تقی خاں کے دربار تک

پہنچا دیا۔ نواب کے ساتھ لکھنؤ آ گئے اور پھر وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ بچپن میں مناسب تربیت نہ ہو نے کی وجہ سے ان کے مزاج میں آزادہ روی پیدا ہوگئی تھی، جس نے فقیرانہ صورت اختیار کر لی۔ تمام عمر تنگ دستی اور خستہ حالی میں گزار دی لیکن کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارہ نہیں کیا۔ آخری عمر میں آتش کی بینائی بھی جاتی رہی۔ اس لیے وہ اپنے چھوٹے سے مکان میں قید ہو کے رہ گئے۔ البتہ شاگردوں کا آنا جانا باقی تھا۔ آتش کا انتقال لکھنؤ میں **1847**ء میں ہوا۔

آتش کا شمار دبستانِ لکھنؤ کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے مزاج میں جو بانکپن اور بے نیازی تھی وہ ان کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ ان کا لہجہ متین ہے لیکن کہیں کہیں اس میں بلند آہنگی بھی پیدا ہوگئی ہے۔ چوں کہ ان کا تعلق صوفی خاندان سے تھا اس لیے ان کی غزلوں میں تصوّف کا رنگ بہت گہرا ہے۔ فقیرانہ اور آزادانہ روش ان کو دوسرے لکھنوی شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔

-----

(1)

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

وہ آب و رنگ کہاں روئے یار کا گل پر
ہزار آنکھ ہو نرگس کی وہ نگاہ نہیں

صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خواب گاہ نہیں

نہ پاک ہوگا کبھی حسن و عشق کا جھگڑا
وہ قِصّہ ہے یہ کہ جس کا کوئی گواہ نہیں

فقیر بن کے قدم مار اس میں اے آتشؔ
طریقِ احمدؐ مُرسَل سی شاہراہ نہیں

معنی اور اشارے

سپاہ	=	فوج، لشکر
بیدار دل	=	زندہ دل، وہ دل جو خدا کی طرف متوجہ ہو۔
حواس خمسہ	=	پانچ حواس، دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی پانچ قوتیں
صدا	=	آواز
طریق	=	راستہ، طریقہ
احمدؐ مُرسَل	=	رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) آتش کا اصل نام کیا تھا؟

(a) خواجہ حیدر علی (b) خواجہ امجد علی

(c) خواجہ معظم علی (d) خواجہ نادر علی

(2) آتش کی ولادت کہاں ہوئی؟

(a) لکھنؤ (b) فیض آباد

(c) کانپور (d) الہ آباد

(3) آتش کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) اکبر آباد
(b) فیض آباد
(c) لکھنؤ
(d) بنارس

(4) صدا لفظ کا مترادف ہے؟

(a) سدا
(b) صحرا
(c) شور
(d) نوا

مختصر ترین سوالات (Very short type questions):

(1) آتش کس صنف سخن کے لیے مشہور ہیں؟

(2) ''حواس خمسہ'' کسے کہتے ہیں؟

(3) محاورہ ''قدم مارنا'' سے کیا مراد ہے؟

(4) آتش کس کے شاگرد تھے؟

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) ''ہزار آنکھ ہو نرگس کی'' سے کیا مراد ہے؟

(2) بیدار دل کسے کہتے ہیں؟

(3) آتش کے کلام کی خوبیاں بیان کیجیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) خواجہ حیدر علی آتشؔ کے حالات زندگی پر ایک مختصر مضمون لکھیے؟

(2) آتشؔ نے کس طرح کے مضامین اپنی غزلوں میں باندھے ہیں؟

(3) مندرجہ ذیل اشعار کا مطلب بیان کیجیے اور شاعر کا نام بھی بتائیے:

(الف)

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

(ب)

صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خواب گاہ نہیں

سبق (13) شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

مختصر سوانح

(1) نام : شیخ محمد ابراہیم

(2) تخلص : ذوقؔ

(3) وطن : دہلی

(4) ولادت : 1789ء دہلی

(5) وفات : 1854ء دہلی

(6) استاد کا نام : شاہ نصیر

ذوقؔ کا پورا نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ وہ 1789ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں 1854ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ ایک غریب سپاہی شیخ محمد رمضان کے بیٹے تھے۔ ذوقؔ نے ابتدائی تعلیم حافظ غلام رسول سے حاصل کی جو خود بھی ایک شاعر تھے اور شوقؔ تخلص فرمایا کرتے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے انھیں سے اپنے کلام پر اصلاح لی، پھر شاہ نصیر کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے۔ ذوقؔ نے اپنی اعلیٰ

صلاحیتوں کی بنیاد پر شاعری کے میدان میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔ ان کا شمار دبستانِ دہلی کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے صنف غزل میں بھی دادِ سخن دی ہے اور ان کی غزلیں زبان و بیان کے اعتبار سے استناد کا درجہ رکھتی ہیں لیکن ان کا اصل جوہر قصیدہ نگاری میں کھلتا ہے۔ انیس برس کی عمر میں قلعہ معلّٰی سے وابستہ ہوئے اور جب بہادر شاہ ظفؔر نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ذوقؔ کو ''ملک الشعرا'' اور ''خاقانی ہند'' کے خطابات سے نوازا۔ ان کو بہادر شاہ ظفؔر کے استادِ سخن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ذوقؔ نے غزل کو دلکش اسلوب عطا کیا۔ ان کی غزلوں میں جہاں حسن و عشق کے معاملات بیان کیے گئے ہیں وہیں اخلاق وتصوف کے مضامین بھی باندھے گئے ہیں۔ ان کے یہاں زبان کی سلاست اور بیان کی صفائی بہ طور خاص پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی غزلوں میں دہلی کے محاوروں اور روز مروں کا خاص طور سے خیال رکھتے ہیں۔ ذوقؔ کی زبان کو دہلی کی مستند زبان مانا جاتا ہے۔

-----

(1)

اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جس انساں کو سگِ دنیا نہ پایا
فرشتہ اس کا ہم پایہ نہ پایا
مُقدّر ہی پہ جب سود و زیاں ہے
تو یاں ہم نے نہ کچھ کھویا نہ پایا
کہے کیا ہائے زخم دل ہمارا
دَہن پایا لبِ گویا نہ پایا
نہ مارا تونے پورا ہاتھ قاتل
ستم میں بھی تجھے پورا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم
غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
نظیر اس کا کہاں عالم میں اے ذوقؔ
کوئی ایسا نہ پائے گا نہ پایا

معنی اور اشارے

گویا = بولنے والا

شیدا = دیوانہ۔اسی لیے عشق کرنے والے کو بھی "شیدا" کہتے ہیں۔

دہن = مُنھ، زبان

لب گویا = بولنے والا ہونٹ

ہم پایہ = ہم مرتبہ

سودوزیاں = نفع اور نقصان

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) شیخ ابراہیم ذوقؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی (b) لکھنؤ

(c) الہ آباد (d) عظیم آباد

(2) ذوق نے ابتدا میں کس کی شاگردی اختیار کی؟

(a) شوقؔ (b) غالبؔ

(c) میرؔ (d) ناسخؔ

(3) ذوق کو ''خاقانی ہند'' کا خطاب کس بادشاہ نے دیا؟

(a) اکبر بادشاہ (b) بہادر شاہ ظفر

(c) غالبؔ (d) محمد حسین آزاد

(4) کس صنف میں ذوقؔ کا اصل جوہر کھلتا ہے؟

(a) مرثیہ (b) قصیدہ

(c) رباعی (d) مثنوی

مختصر ترین سوالات (Very short type questions):

(1) ذوقؔ کس بادشاہ کے استاد تھے؟

(2) ذوقؔ کا پورا نام کیا ہے؟

(3) ذوقؔ کس کے بیٹے تھے؟

(4) کس عمر میں ذوقؔ کا شاہی قلعے سے تعلق قائم ہوا؟

تفصیلی سوالات (Long type questions):

(1) صنعت حسن تعلیل کی تعریف مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے؟

(2) مندرجہ ذیل اشعار سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت کیجیے:

اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

(3) ذوقؔ کی غزل گوئی کی خصوصیات بیان کیجیے؟

سبق (14) مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

مختصر سوانح

(1) نام : اسداللہ خاں

(2) تخلص : پہلے اسدؔ اور بعد میں غالبؔ

(3) وطن : آگرہ

(4) ولادت : 1797ء آگرہ

(5) وفات : 1869ء دہلی

(6) استاد کا نام : عبدالصمد

(7) شعری تصانیف: دیوانِ غالبؔ

غالبؔ اردو کے عظیم شاعر و ادیب تھے۔ ان کا اصل نام اسداللہ خاں تھا۔ ابتدا میں انھوں نے اسدؔ تخلص اختیار کیا، جسے بعد میں غالبؔ سے بدل دیا۔ ان کی پیدائش آگرہ میں 1797ء میں ہوئی۔ والد کا نام عبداللہ بیگ تھا۔ ابھی وہ تقریباً پانچ برس کے تھے کہ ان کے والد کا گولی لگنے سے انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان کے چچا نصراللہ بیگ نے کی۔ لیکن نو سال کی عمر میں ان کے چچا بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کے نانا نے لی۔ 1810ء میں تیرہ برس کی عمر میں ان کی

شادی الٰہی بخش خاں معروفؔ کی بیٹی امراؤ بیگم سے ہوگئی اور وہ دہلی میں رہنے لگے۔ انھیں لوگ مرزا نوشہ کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے انھیں نجم الدولہ، دبیر الملک اور نظام جنگ کے خطاب سے نوازا۔ **1857**ء کے ہنگامہ میں دیگر صاحبانِ کمال کی طرح ان کو بھی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، جس کا ذکر انھوں نے اپنی فارسی تصنیف ''دستنبو'' میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

غالبؔ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اعلیٰ درجہ کی شاعری کی ہے۔ وہ اپنی فارسی شاعری پر تا عمر فخر کرتے رہے لیکن ان کی شہرت اور مقبولیت اردو شاعری کی وجہ سے ہوئی۔ میرؔ کے بعد وہ اردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر ہیں۔ ان کا اردو دیوان اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

غالبؔ کا شاعرانہ کمال یہ ہے کہ انھوں نے عام روش پر چلنا کبھی قبول نہیں کیا اور شاعری کے میدان میں اپنی راہ آپ نکالی، جس کے باعث ان کے کلام میں جدت پائی جاتی ہے۔ غالب اپنی شاعری کو عموماً فکر و فلسفہ کا مرقع بناتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے کلام میں مشکل پسندی نظر آتی ہے۔

-----

(1)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بَلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

یہ مسائل تصوّف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

-----

(2)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

ہوئی جن سے توقّع خستگی کی داد پانے کی

وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

مَحبَّت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا

اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں مے خانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ

پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

معنی اور اشارے:

وصال = ملاقات

تیرِ نیم کش = اس تیر کو کہتے ہیں جسے چلاتے وقت کمان کو آدھی قوت سے کھینچا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نشانے کے پار نہیں ہوتا۔ تیرِ نیم کش کنایہ ہے معشوق کی نیچی نظر سے جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے سے کہیں زیادہ دلکش ہوتی ہے۔

خلش = کھٹک، اضطراب

خُلد = بہشت، جنّت

خستگی = شکستہ حالی، مفلسی

توقّع = اُمید

بادہ خوار = شرابی

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions):

(1) مرزا غالبؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(a) لکھنؤ (b) بنارس

(c) دہلی (d) آگرہ

(2) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

درج بالا شعر کس کا ہے؟

(a) میرؔ (b) غالبؔ

(c) سوداؔ (d) دردؔ

(3) یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

مندرجہ بالا شعر کا پہلا مصرع ہے:

(a) ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

(b) کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو

(c) کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے

(d) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا

(4) ''خُلد'' کے کیا معنٰی ہیں؟

(a) دنیا (b) زندگی

(c) آسمان (d) جنت

(5) غالبؔ کے والد کا نام کیا تھا؟

(a) عبداللہ
(b) نصراللہ
(c) ظفراللہ
(d) عظمت اللہ

(6) لفظ ''خستگی'' سے کیا مراد ہے؟

(a) بدلا ہوا
(b) دشمنی
(c) شکستہ حالی
(d) مقصد

(7) غالبؔ کی بیوی کا نام کیا تھا؟

(a) امراؤ بیگم
(b) خدیجہ بیگم
(c) پارسا بیگم
(d) شگفتہ بیگم

(8) غالبؔ کا سنہء وفات کیا ہے؟

(a) 1790ء
(b) 1780ء
(c) 1869ء
(d) 1864ء

مختصر ترین سوالات (Very short type questions):

(1) غزل کس زبان کا لفظ ہے؟

(2) مرزا غالبؔ کے چچا کا نام کیا تھا؟

(3) مرزا غالبؔ کی پیدائش کس شہر میں ہوئی ؟

مختصر سوالات (Short type questions):

(1) غالبؔ کی غزل گوئی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے ؟

(2) مندرجہ ذیل شعر کے بارے میں اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے:

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

نکلنا خلد سے آدمؑ کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

سبق (15) حکیم مومن خاں مومنؔ

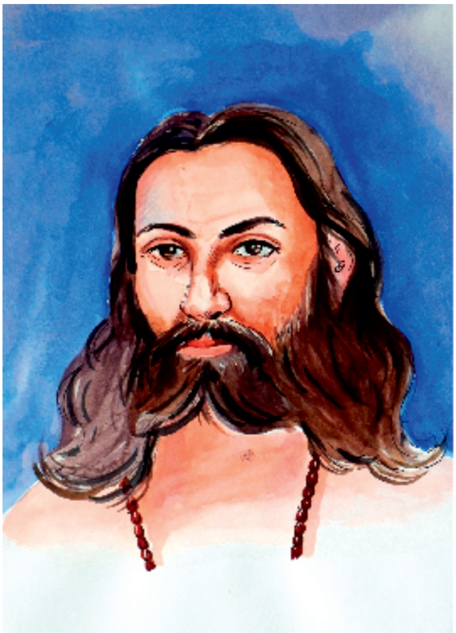

مختصر سوانح

(1) نام : محمد مومن خاں

(2) تخلص : مومنؔ

(3) وطن : دہلی

(4) ولادت : **1800**ء دہلی

(5) وفات : **1852**ء دہلی

(6) استاد کا نام : شاہ نصیر

مومن کا اصل نام محمد مومن خاں اور تخلص مومنؔ تھا۔ وہ **1800**ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام غلام نبی خاں تھا جو پیشہ سے حکیم تھے۔ مومن نے عربی کی تعلیم مولانا شاہ عبدالقادر سے اور طبابت (حکیمی کی تعلیم) اپنے والد سے حاصل کی۔ طب کے علاوہ انھوں نے دیگر علوم وفنون پر بھی دسترس حاصل کیا۔ مومن کو علم نجوم اور شطرنج میں بھی مہارت حاصل تھی۔ انھیں فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ شعروشاعری کی طرف

رجحان ہوا تو شاہ نصیؔر سے اصلاح لینے لگے۔ ذہانت کے سبب وہ جلد ہی اصلاح سے بے نیاز ہو گئے۔ ان کے مزاج میں رنگینی، شگفتگی اور زندہ دلی تھی۔ وہ خوش وضع اور خوش پوشاک تھے۔

مومؔن نے اردو شاعری میں ایک منفرِد انداز کی داغ بیل ڈالی۔ ان کے کلام میں تغزل، شعریت اور عشق کا جذبہ ہے۔ معاملہ بندی میں مومن کو کمال حاصل ہے۔ اپنی غزلوں میں مومن نے معاملہ بندی کو جس خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے وہ مثالی ہے۔ ان کے اشعار میں اصلیت کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ وہ جذبات کی شدت کو صاف طور سے ظاہر کر دیتے ہیں۔

مومؔن کے کلام کی سب سے بڑی خوبی مکرِ شاعرانہ ہے یعنی یہ کہ اکثر وہ اپنے محبوب سے کوئی بات ایسی کہہ جاتے ہیں جس سے بظاہر محبوب کا فائدہ ہوتا ہے لیکن شعر کی گہرائی میں جانے پر خود کا ہی فائدہ مقصود ہوتا ہے۔

مومؔن کے مزاج میں خودداری تھی۔ کسی کے سامنے دست سوال پھیلانا یا خوشامد کرنا ان کو پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کبھی درباروں اور بادشاہوں سے کوئی تعلق قائم نہیں کیا۔ **1852** ء میں کوٹھے سے گرنے کی وجہ سے کم عمری میں ہی ان کی موت واقع ہوئی۔

-----

(1)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نِباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یا د ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گِلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بُری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے با وفا
میں وہی ہوں مومنؔ مبتلا تمھیں یا د ہو کہ نہ یاد ہو

معنی اور اشارے:

قرار	=	وعدہ، عہد
نباہ	=	گزارہ، وفاداری
لطف	=	کرم، مہربانی
گلہ	=	شکوہ، شکایت
حکایتیں	=	کہانیاں، داستانیں، قصے، باتیں (حکایت کی جمع)
آشنا	=	شناسا، واقف کار، جان پہچان والا
باوفا	=	قول کا سچا، وفادار
مبتلا	=	پھنسا ہوا، الجھا ہوا، جس پر مصیبت پڑی ہو عشق میں گرفتار ہونے والے کو اکثر مبتلا کہا جاتا ہے۔

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) مومن کب پیدا ہوئے؟

(a) 1800ء   (b) 1877ء

(c) 1713ء   (d) 1865ء

(2) مومنؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(a) غلام نبی خاں (b) غلام جیلانی خاں

(c) غلام محی الدین خاں (d) غلام تجمل حسین خاں

(3) مومنؔ کو کس چیز میں کمال حاصل تھا؟

(a) معاملہ بندی (b) سہل پسندی

(c) مضمون آفرینی (d) فلسفیانہ انداز

(4) مومنؔ کا انتقال کیسے ہوا؟

(a) کوٹھے سے گر کر (b) گھوڑے سے گر کر

(c) سوتے وقت (d) بیماری کے سبب

مختصر ترین سوالات (Very short type questions) :

(1) مومنؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(2) طب کے علاوہ مومن اور کن علوم وفنون کے ماہر تھے؟

(3) مومنؔ کے کلام کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) مومن کے کلام کی خوبیاں بیان کیجیے؟

(2) مومن کو اردو کے علاوہ اور کس زبان پر قدرت حاصل تھی؟

(3) مومن شعر و شاعری میں کس سے اصلاح لیتے تھے؟

تفصیلی سوالات (Long questions) :

(1) مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح ضروری حوالے کے ساتھ کیجیے:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پہ
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یا د ہو کہ نہ یاد ہو

(2) مومنؔ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیے؟

سبق (16) نواب مرزا خاں داغؔ

مختصر سوانح

(1) نام : نواب مرزا خاں
(2) تخلص : داغؔ
(3) وطن : دہلی
(4) ولادت : 1831ء دہلی
(5) وفات : 1905ء حیدرآباد
(6) استاد کا نام : ذوقؔ

نواب مرزا خاں داغؔ کی پیدائش 25 مئی 1831ء کو چاندنی چوک دہلی میں ہوئی۔ ابھی نوعمر تھے کہ ان کے والد نواب شمس الدین خاں کا انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ وزیر بیگم عرف چھوٹی بیگم نے بہادر شاہ کے بیٹے مرزا محمد سلطان عرف مرزا فخرو سے عقدِ ثانی کر لیا۔ اس طرح انھیں ماں کے ساتھ لال قلعے میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ داغ کی تعلیم و تربیت شاہی قلعے میں ہوئی۔ شاعری میں ذوقؔ کے شاگرد ہوئے۔ فارسی زبان انھوں نے اس وقت کے ایک مشہور عالم مولوی غیاث الدین رامپوری سے پڑھی۔ قلعے کے صاحبزادگان کی طرح

داغؔ نے دوسرے علوم وفنون کے ساتھ شہسواری کی بھی تربیت پائی۔ **1856**ء میں مرزا فخرو کا انتقال ہوگیا اور داغ کو اپنی ماں کے ساتھ لال قلع چھوڑنا پڑا۔ **1857**ء کے بعد داغؔ رامپور چلے گئے۔ رامپور کے نواب یوسف علی خاں خود شاعر تھے اور شاعروں کے قدردان بھی انھوں نے داغ کی پذیرائی کی اور ولی ریاست کلب علی خاں کا مصاحب خاص مقرر کیا۔ **1886**ء میں نواب کے انتقال کے بعد داغؔ نے رامپور چھوڑ دیا اور تھوڑے تھوڑے دن کئی شہروں میں رہنے کے بعد **1888**ء میں حیدرآباد پہنچے۔ نظام حیدرآباد نے ان کو شاعری میں اپنا استاد مقرر کرلیا۔ اس طرح داغ کے آخری **17** سال بڑے آرام سے گزرے۔ **17** فروری **1905**ء کو **76** سال کی عمر میں انتقال کیا۔

داغؔ کی شاعری عام طور پر ہلکے پھلکے عشقیہ جذبات وخیالات کو بیان کرتی ہے۔ معنوی اعتبار سے ان کے اشعار بہت بلند نہیں تو ایک خاص سطح سے کمتر بھی نہیں ہوتے ۔ ان کی زبان دِلّی کی ٹکسالی زبان ہے۔ برجستہ شعر کہنے کی خوبی ہی نے داغ کو مشہور کیا۔ اپنی روزمرہ زندگی میں وہ بہت زندہ دل، نفاست پسند، خداترس، بااخلاق اور بزلہ سنج انسان تھے۔ داغؔ کی شخصیت ایک دبستان کی تھی۔ اُن کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ اُردو کے عظیم شاعر اقبال کا شمار بھی اُن ہی کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔

-----

(1)

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

اِفشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا

بزمِ عدو میں صورتِ پروانہ دل مِرا
گو رشک سے جلا ترے قربان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغؔ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

معنی اور اشارے:

خاطر = دل، پاس داری، لحاظ

اِفشائے راز = راز فاش ہونا، بھید کھولنا، چھپی ہوئی بات ظاہر کرنا

ہوش وحواس = عقل وتمیز، شعورو ادراک

تاب وتواں = قدرت، طاقت، حوصلہ، صبر، قرار، برداشت

صاحب زادگان = بادشاہوں کی اولاد

مصاحب خاص = مخصوص مصاحب، جو زیادہ قربت رکھتا ہو

فصیح الملک = داغؔ کا خطاب

بذلہ سنج = ظریف، خوش طبع

عدو = دشمن

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions):

(1) داغؔ کا اصل نام کیا تھا؟

(a) نواب عبداللہ خاں (b) نواب مرزا خاں

(c) نواب شمس الدین (d) مرزا محمد سلطان

(2) داغؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(a) نواب شمس الدین　(b) مرزا فخرو

(c) ذوقؔ　(d) بہادر شاہ ظفرؔ

(3) داغؔ کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) رامپور　(b) حیدرآباد

(c) لکھنؤ　(d) دِلّی

(4) داغ کا سنہ ء پیدائش کیا ہے؟

(a) 1857ء　(b) 1831ء

(c) 1905ء　(d) 2005ء

(5) داغؔ نے اپنی شاعری پر کس سے اصلاح لی؟

(a) ذوقؔ　(b) بہادر شاہ ظفرؔ

(c) اقبالؔ　(d) میرؔ

(6) داغؔ کے شاگردوں میں اردو کا عظیم الشان شاعر کون ہے؟

(a) غالبؔ　(b) بہادر شاہ ظفرؔ

(c) اقبالؔ　(d) ناسخؔ

(7) 1857ء کے ہنگامے کے بعد داغؔ کہاں چلے گئے؟

(a) لکھنؤ　(b) کلکتّہ

(c) رام پور　(d) بنارس

(8) داغؔ کا انتقال کس شہر میں ہوا؟

(a) رام پور　(b) دہلی

(c) کلکتہ　(d) حیدرآباد

(9) داغؔ کا انتقال کس سنہ ء میں ہوا؟

(a) 1857ء　(b) 1831ء

(c) 1905ء　(d) 2000ء

(10) خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا　جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

یہ شعر کس کا ہے؟

(a) ولیؔ　(b) سوداؔ

(c) ذوقؔ　(d) داغؔ

(11) داؔغ کی والدہ کا کیا نام تھا؟

(a) وزیر بیگم (b) امراؤ جان

(c) نجم النسا (d) چاندنی بیگم

مختصر ترین سوالات (Very short type questions) :

(1) دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

یہ شعر کس کا ہے؟

(2) داؔغ کی والدہ نے دوبارہ کس سے شادی کی؟

(3) داؔغ کے کسی ایک شاگرد کا نام لکھیے؟

(4) داؔغ کہاں کے رہنے والے تھے؟

(5) داؔغ نے اپنی عمر کے آخری ایاّم کس شہر میں گزارے؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا

جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

یہ شعر کس کا ہے اور اس میں کیا خوبیاں بیان کی گئی ہیں؟

(2) داغ کا پورا نام کیا تھا؟

(3) داغ کے والد کا کیا نام تھا؟

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) داغ کی حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے؟

(2) ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے

اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

اس شعر کی تشریح کیجیے؟

(3) داغ کی غزل گوئی کی خصوصیات بیان کیجیے؟

مثنوی

مثنوی عربی لفظ ہے جس کے معنی دو کے ہوتے ہیں۔اصطلاح میں ایسی نظم کو مثنوی کہتے ہیں جو دو ہم قافیہ و ہم ردیف مصرعوں پر مشتمل ہو۔مثنوی کے لیے کم سے کم دو اشعار کا ہونا ضروری ہے مثنوی کی ہئیت میں شعر گوئی کی روایت قدیم زمانے سے ملتی ہے۔

جب مثنوی کو ایک صنف کے طور پر قبول کیا گیا تو اس میں طویل سے طویل تر نظمیں لکھی جانے لگیں۔اس میں لمبی سے لمبی داستان اور طویل سے طویل قصوں کو نظم کرنے کی گنجائش ہے۔اس لیے اس کا شمار بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔

مثنوی کا آغاز فارسی سے ہوا اور اس میں وہاں خوب طبع آزمائی کی گئی۔فارسی کے زیر اثر اردو شعرا نے بھی بہترین مثنویاں لکھیں۔اردو کی پہلی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ہے جو بہمنی دور میں لکھی گئی۔اس کے شاعر فخر الدّین نظامی بیدری ہیں۔ابتدا میں دکن میں اس کا خوب رواج رہا۔شمالی ہند میں بھی مثنوی نگاری کی مستحکم روایت رہی ہے۔ملا وجہی کی قطب مشتری، ابن نشاطی کی پھول بن، غواصی کی سیف الملوک بدیع الجمال، نصرتی کی علی نامہ، میر حسن کی سحر البیان، دیا شنکر نسیم کی گلزار نسیم، مرزا شوق لکھنوی کی زہر عشق وغیرہ اردو کی مشہور مثنویاں ہیں۔

سبق (17) میر حسنؔ

مختصر سوانح

(1) نام : میر غلام حسین

(2) تخلص : میر حسنؔ

(3) وطن : دلّی

(4) ولادت : 1727ء دلّی

(5) وفات : 1786ء لکھنؤ

(6) استاد کا نام : میر دردؔ اور مرزا رفیع سوداؔ

میر حسنؔ کا پورا نام میر غلام حسن تھا۔ وہ دہلی کے محلّے سید واڑہ میں **1727**ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد میر غلام حسین ضاحک سے حاصل کی۔ اس کے بعد شعر و سخن کی دلچسپی پیدا ہوئی اور میر دردؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کی شاگردی اختیار کر لی۔ میر حسن کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا۔ ان کے یہاں شعر و شاعری کی ایک شاندار روایت موجود تھی۔ والد خود بھی شاعر تھے اور مرثیہ گوئی

میں کمال رکھتے تھے۔ میر حسن کے بیٹے میر مستحسن خلیقؔ بھی صاحب اسلوب شاعر تھے اور مرثیہ گوئی کے میدان میں ان کا بھی نام احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ میر حسن کے پوتے میر ببر علی انیسؔ نے مرثیہ گوئی کو آسمان کی بلندی پر پہنچا دیا۔

میر حسن کے خاندان کے افراد ایران سے دہلی آ کر بس گئے۔ جب دہلی تباہ ہوئی تو دوسرے صاحبانِ کمال کی طرح میر حسن کے والد بھی دہلی سے فیض آباد آ گئے، پھر وہاں سے لکھنؤ پہنچے اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ میر حسن کی تاریخ وفات **1786**ء ہے۔

میر حسن نے مثنوی، غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، قطع جیسی اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی شہرت مثنوی نگاری کی وجہ سے ہے۔ سحر البیان ان کی سب سے مشہور مثنوی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کے بیان کی صفائی ہے۔ اس کا اسلوب ایسا دلکش ہے کہ وہ قاری کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ یہ مثنوی ان کے آخری دور کی یادگار ہے۔ اس لیے اس میں فن کی وہ پختگی موجود ہے جو کسی ادب پارے کو اعلیٰ اقدار و معیار کا حامل بناتی ہے۔

-----

(1)

بے نظیر کے غائب ہونے پر ماتم

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی　　کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلاتی سی پھرنے لگی　　کوئی ضعف ہو ہو کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ، دل گیر ہو　　گئی بیٹھ، ماتم کی تصویر ہو
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب　　کسی نے کہا: گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیے کھول سنبل سے بال　　تپانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر　　گرا خاک پر کہہ کہ: ہائے پسر!
کلیجا پکڑ ماں تو بس رہ گئی　　کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
کہا شہ نے: واں کا مجھے دو پتا　　عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا
گئے لے وہ شہ کو لبِ بام پر　　دکھایا کہ سوتا تھا یاں سیم بر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا　　کہا: ہائے بیٹا! تو یاں سے گیا
مرے نوجواں! میں کدھر جاؤں پیر　　نظر تونے مجھ پر نہ کی بے نظیر!

عجب بحرِ غم میں ڈبویا ہمیں
غرض جان سے تونے کھویا ہمیں

-----

(2)

بے نظیر کے نہ ہونے پر باغ کی ویرانی

گیا جب کہ وہ سرو اس باغ سے — نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول — اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال — ثمر لگ کے پاتوں ہوئے پائمال
تبسم، کلی حزن سے بھول گئی — پیا غم سے از بس لہو، پھول گئی
اڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب — ہوئے بال سُنبل کے، ماتم کی شب
لبِ جُو کے اُڑنے لگی گرد ، گرد — گلِ اشُرفی کا ہوا رنگ زرد
پڑا ماتم اس باغ میں بس کہ سخت — ہوئے نخلِ ماتم، تمامی درخت
لگے تھے جو پتّے درختوں کے ساتھ — وہ ہِل ہِل کے مَلتے تھے آپس میں ہاتھ
وہ لب ریز جو نہر تھی جا بہ جا — سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈَبڈَبا
جہاں رقص کرتے تھے طاؤسِ باغ — لگے بولنے اُن منڈیروں پہ زاغ
سہانی وہ چھائیں جو دل چسپ تھیں — سو کیا ہو کہ اب دل لگے واں کہیں
مُنَقَّش جہاں تھے وے رنگیں مکاں — ہوئے سب وہ جوں دیدۂ خوں چکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل — سو وے سب خزاں سے ہوئے مضمحل
نہ غنچہ ، نہ گل نَے گلستاں رہا — فقط دل میں اک خارِ ہجراں رہا

گریباں کو مثلِ گلِ چاک کر
دیا خاک پر پھینک ایدھر ادھر

-----

(3)

نجم النِّسا جوگن بنتی ہے

پھر آئے جو کچھ اس کو ہوش و حواس
سجا تن پہ جوگن کا اس نے لِباس

پہن سیلی، اور گیروا اوڑھ کھیس
چلی بن کے صحرا کو جوگن کے بھیس

کئی سیر موتی جلا، راکھ کر
بھبھوت اپنے تن پر مَلا سَر بہ سَر

زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ
بدن کو چِھپا اور گاتی کو باندھ

زُمُرُّد کے مُندرے لگا کان میں
کہ جوں سبزہ و گل ، گلستان میں

گلے پیچ ڈال اپنے مالوں کے تیئں
پریشان کر اپنے بالوں کے تیئں

زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا
کیا سنبلستان کو جگمگا

لٹیں دے کے بل دوش پر موڑ دیں
وہ باگیں سی شبدیز کی چھوڑ دیں

زُمُرُّد کی سُمرن کو ہاتھوں میں ڈال
اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال

اس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں
صفا، راکھ سے اور چمکی وہاں

کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند
چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

وہ موتی کی سیلی، وہ تن کی دمک
شبِ تیرہ میں کہکشانِ فلک

زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے
کہ جوں شب میں کوئی بنیٹی کرے

وہ مندرے، وہ تن اس کا خاکستری
ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری

اڑے سبزہ و گل کے دیکھ اس کو ہوش　　　وے دونوں ہوئے اس کے حلقہ بہ گوش
نظر کر صفائی کو اس گوش کی　　　زُمُرّد کو اس گوش کی لو لگی
بڑھے کیوں نہ ہر دم زُمُرّد کی شان　　　جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان
وہ موتی کے مالے، وہ مونگے کے ہار　　　گل و نسترن کی چمن میں بہار
وہ قَشقہ کھنچا سُرخ ماتھے پہ یوں　　　پڑے نور پر لعل کا عکس جوں
ادا اس کی دیکھے جو عاشق کبھو　　　تو رویا کرے چشم سے وہ لہو

یہ بیِن اس کے کاندھے پہ تھی خوش نما
چلے جوں کوئی مست شیشہ اٹھا

-----

(4)

نجم النّسا کا جنگل میں بین بجانا

پھر آئے جو کچھ اس کو ہوش و حواس — سجا تن پہ جوگن کا اس نے لِباس
بچھا مِرگ چھالے کو اور لے کے بِین — دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین
کِدارا بجانے لگی شوق میں — لگی دست و پا مارنے ذوق میں
وہ سُنسان جنگل، وہ نورِ قمر — وہ بُرّاق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں، چمکتی سی ریت — لگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتّے چمکتے ہوئے — خَس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
دیا یہ کہ جوگن کا مُنھ دیکھ کر — ہوا نور، سایے کا، ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سُن کر جو دل — گئے سایہ و نور آپس میں مل
وہ صورت خوش آئی جو اس نور کی — دل اپنے پہ سایے نے منظور کی
ہَوا بندھ گئی اس گھڑی اس اُصول — بَسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے باد صبا — لگی وجد میں بولنے واہ وا

کدارے کا عالم یہ تھا اس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

معنی اوراشارے:

بکس رہ جانا = بکس کررہ جانا یعنی تھوڑا سا کھل کر مرجھا جانا

پاتوں لگنا = پتی لگ جانا، پھل کا خراب ہوجانا

پسر = بیٹا

ضعف = کمزور

خوش آنا = پسند آنا

نخل ماتم = تابوت، وہ بیل بوٹے جو تابوت پر بناتے ہیں

رخت = لباس

سیلی = کالے رنگ کا موٹا دھاگا جو فقیر اپنے گلے میں ڈالتے ہیں

گاتی باندھنا = دوپٹے یا چادر کو بدن پر کس کر باندھنا، گلے بیچ ڈال کر

مالوں کے تئیں = اپنے گلے میں مالے ڈال کر

سنبلستان سر = سنبل ایک لمبی خوشبودار گھاس ہوتی ہے، اس لیے اس کو زلف سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے سر کو سنبلستان کہا ہے۔

جگمگا کرنا = چمکانا

سمرن = تسبیح

بنیٹی کرنا	=	بان چھڑانا۔ 'بان' ایک طرح کی آتش بازی ہوتی ہے جس کو آگ دے کر چکر کی طرح گھماتے ہیں۔
کِدارا	=	ایک راگ کا نام
مُنَقَّش	=	بیل بوٹے دار، جس پر نقش و نگار ہوں
بُرّاق	=	وہ بہشتی چوپایہ، جس پر رسول خداؐ شب معراج کو سوار ہو کر آسمان پر تشریف لے گئے، چمکیلا، روشن
حزن	=	غم

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) لفظ ''سمرن'' کے معنی کیا ہیں؟

(a) تسبیح (b) کالا رنگ

(c) بانسری (d) لباس

(2) ''بے نظیر کے غائب ہونے پر ماتم'' کس شاعر کی مثنوی سے ماخوذ ہے؟

(a) مرزا شوق (b) میر حسن

(c) میر تقی میر (d) دیا شنکر نسیم

:3: میرؔحسن کی سب سے مشہور مثنوی کون سی ہے؟

(a) سحرالبیان (b) گلزارِنسیم

(c) زہرِعشق (d) ساقی نامہ

(4) وزیرزادی نجم النساء کس کی تلاش میں جوگن بن جاتی ہے؟

(a) راجا اندر (b) تاج الملوک

(c) فیروز (d) بےنظیر

(5) دو دو ہم قافیہ مصرعوں کے اشعار پر مبنی نظم کا نام کیا ہے؟

(a) رباعی (b) مرثیہ

(c) مثنوی (d) قصیدہ

مختصرترین سوالات (Very short type questions) :

(1) ''سحرالبیان'' کے شہزادے کا کیا نام تھا؟

(2) مثنوی سحرالبیان کے مطابق کس کے غائب ہونے پر ماتم ہونے لگا تھا؟

(3) میرؔحسن کا پورا نام کیا ہے؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) میرؔحسن کی مثنوی کی خصوصیات بیان کیجیے؟

(2) مثنوی کسے کہتے ہیں؟ دو مشہور مثنوی نگاروں کے نام لکھیے ؟

(3) میرؔحسن کے حالات زندگی مختصر الفاظ میں بیان کیجیے؟

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح مع سیاق وسباق اپنی زبان میں کیجیے:

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلُبلِاتی سی پھرنے لگی
کوئی ضعف ہو ہو کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ ، دلگیر ہو
گئی بیٹھ ،ماتم کی تصویر ہو

(2) میرؔحسن کی مثنوی نگاری پر ایک نوٹ لکھیے ؟

رباعی

رباعی اردو کی قدیم صنفِ سخن ہے۔ رباعی کا ابتدائی نام ترانہ تھا، اس کو دوبیتی بھی کہتے ہیں۔ بیت کے معنی ہیں شعر۔ اس لیے دوبیتی کے معنی ہوئے دو شعروں والی نظم۔ رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں چار۔ اصطلاح میں اس سے وہ شعری ہیئت مراد ہے جو چار مصرعوں پر مبنی ہو اور فکر و خیال کے لحاظ سے مربوط ہو۔ رباعی کے چار مصرعوں میں خیال مربوط و مسلسل ہوتا ہے اور آخری مصرع میں خیال کی تکمیل ہوتی ہے۔ رباعی کے لیے 24 اوزان مقرر ہیں جو بحر ہزج پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرع ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرع میں قافیہ نکل جائے تو عیب نہیں۔ رباعی کے لیے چند اور باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں جو مضمون بیان کیا جائے وہ اچھوتا ہو، جو خیال پیش کیا جائے وہ بلند ہو اور انداز بیان میں دلکشی پائی جائے۔ رباعی کا چوتھا مصرع جسے حاصل رباعی کہا جاتا ہے، زیادہ پُر زور ہو اور محسوس ہو کہ رباعی کا پورا مضمون اس میں سمٹ آیا ہو۔

رباعی میں عام طور پر حکیمانہ، عاشقانہ، اور اخلاقی مضامین بیان کیے جاتے ہیں لیکن شاعروں نے خود کو ان مضامین کا پابند نہیں کیا۔ چنانچہ رباعی میں ہر قسم کے مضامین نظم کیے گئے ہیں۔ اردو میں اگرچہ رباعیاں کم کہی گئی ہیں لیکن اس کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

سبق (18) میر ببر علی انیسؔ

مختصر سوانح

(1) نام : میر ببر علی

(2) تخلص : انیسؔ

(3) وطن : فیض آباد

(4) ولادت : **1802**ء فیض آباد

(5) وفات : **1874**ء لکھنؤ

(6) استاد کا نام : میر انیس کے والد میر مستحسن خلیقؔ تھے۔

اصل نام ببر علی اور تخلص انیسؔ تھا۔ وہ **1802**ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال **1874** ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

میر ببر علی انیس ایک علمی اور ادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کو شاعری ورثے میں ملی تھی۔ ان کے پردادا میر غلام حسین ضاحکؔ، دادا میر حسنؔ اور والد میر مستحسن خلیقؔ بھی اعلیٰ درجہ

کے شاعر تھے۔ انیسؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی لیکن صنفِ مرثیہ میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ انیسؔ نے وافر تعداد میں رباعیاں بھی کہی ہیں اور اس صنف میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔ انیسؔ کی رباعیوں کے خاص موضوعات، اخلاقیات، تصوف اور پند و نصائح ہیں۔ انھوں نے اپنی رباعیوں میں اپنے عقائد کا بھی اظہار کیا ہے۔

-----

(1)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

-----

(2)

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رُخ سب سے پھرا کے مُنھ دکھایا ہے تجھے
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

معنی اور اشارے:

سرائے فانی = فنا ہونے والا گھر، دنیا

رخ = چہرہ، جانب، سمت

کثیر الجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) رباعی کتنے مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے؟

(a) دو (b) تین

(c) چار (d) پانچ

(2) میر انیسؔ کا اصل نام کیا تھا؟

(a) ببر علی (b) شیر علی

(c) منظور علی (d) اصغر علی

(3) میر انیسؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(a) فیض آباد (b) دہلی

(c) حیدر آباد (d) کلکتہ

(4) مندرجہ ذیل اصناف میں میر انیسؔ کس حیثیت سے مشہور ہیں؟

(a) مرثیہ نگار (b) مثنوی نگار

(c) غزل گوئی (d) قصیدہ گوئی

مختصر ترین سوالات (Very short type questions) :

(1) میر انیسؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(2) میر انیسؔ کے دادا کا کیا نام تھا؟

(3) میر انیسؔ کا انتقال کہاں ہوا؟

(4) رباعی کسے کہتے ہیں؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) میر انیسؔ کے حالات زندگی پر ایک نوٹ لکھیے؟

(2) میر انیسؔ کی رباعیوں کے خاص موضوعات کیا ہیں؟

(3) میر انیسؔ نے اپنی دوسری رباعی میں کیا باتیں بیان کی ہیں؟

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) میر انیسؔ کی رباعیات کی خصوصیات بیان کیجیے؟

(2) مندرجہ ذیل رباعی کی تشریح کیجیے:

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

سبق (19) خواجہ الطاف حسین حالؔی

مختصر سوانح

(1) نام : الطاف حسین

(2) تخلص : ابتدا میں خستؔہ بعد میں حالؔی

(3) وطن : پانی پت

(4) ولادت : 1837ء پانی پت

(5) وفات : 1914ء پانی پت

(6) استاد کا نام : نواب مصطفٰے خاں شیفتہ، غالبؔ

حالؔی کا نام الطاف حسین تھا۔ ابتدا میں خستؔہ اور بعد میں حالؔی تخلّص اختیار کیا اور اسی سے شاعری کی دنیا میں مشہور ہوئے۔ حالؔی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے اور یہیں 31/دسمبر 1914ء کو انتقال فرمایا۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا جن کا سلسلۂ نسب شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ سے ملتا ہے اور اسی نسبت سے حالؔی اپنے نام کے آگے بطور لاحقہ خواجہ لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے شاعری میں غالبؔ کی شاگردی اختیار کی۔

حالؔی کا شمار جدید شاعری کے بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مختلف مروجہ اصناف کو جدید دور کے تقاضوں سے آشنا کیا جن میں غزل،نظم،اور مثنوی کا شمار خاص طور سے ہوتا ہے۔حالی کی شاعری میں اخلاقی اور اصلاحی رنگ پایا جاتا ہے۔حالی نے دیگر اصناف کے علاوہ رباعیاں بھی تخلیق کی ہیں۔ان کی رباعیوں میں بھی اخلاقیات اور اصلاحی نقطۂ نظر کی جھلک ملتی ہے۔

-----

(1)

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دَہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

-----

(2)

بلبل کی، چمن میں ہم زبانی چھوڑی
بزمِ شُعَرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

معنی اور اشارے:

مغاں	=	(مغ کی جمع) آتش پرست
صنم	=	بت، مجسمہ، مورت
آتش	=	آگ
دہر	=	دنیا، کائنات، زمانہ
بزم	=	محفل، مجلس

کثیرالجواب پر مبنی سوالات (Multiple choice questions) :

(1) حالیؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(a) پانی پت　　(b) دہلی

(c) الہ آباد　　(d) علی گڑھ

(2) حالیؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(a) خواجہ ایزد بخش　　(b) خواجہ احمد فاروقی

(c) خواجہ بندہ نواز　　(d) الٰہی بخش

(3) حالؔی کا سلسلۂ نسب کس سے ملتا ہے؟

(a) خواجہ عبداللہ انصاری (b) خواجہ عظمت اللہ انصاری

(c) خواجہ ظفر اللہ انصاری (d) خواجہ رحمت اللہ انصاری

(4) جدید شاعری کے بنیاد گزاروں میں کس کا شمار ہوتا ہے؟

(a) میرؔ (b) آتشؔ

(c) ناسخؔ (d) حالؔی

(5) رباعی کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b) فارسی

(c) عربی (d) ترکی

مختصر ترین سوالات (Very short type questions) :

(1) حالؔی کی وفات کہاں ہوئی؟

(2) حالؔی کی رباعیوں میں کس چیز کی جھلک ملتی ہے؟

(3) حالؔی نے شاعری میں کس کی شاگردی اختیار کی؟

(4) رباعی کا ابتدائی نام کیا تھا؟

مختصر سوالات (Short type questions) :

(1) حالؔی کے حالات زندگی پر ایک نوٹ لکھیے؟

(2) حالؔی کے اسلاف کے متعلق اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے؟

(3) رباعی میں کس طرح کے مضامین باندھے جاتے ہیں؟

تفصیلی سوالات (Long type questions) :

(1) حالؔی کی رباعیوں کی خصوصیات بیان کیجیے؟

(2) مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

بلبل کی چمن میں ہم زبانی چھوڑی
بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

ضمیمه

قواعد (Grammar)

اردو قواعد کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) علم ہجّا

(۲) علم صرف

(۳) علم نحو

(۴) اوقاف

(۵) عروض

(۱) **علم ہجّا:** قواعد کے اس حصّے میں حروف سے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے۔ حرف دراصل ایک قسم کی علامت ہے جس کے ذریعے آواز کو تحریری شکل دی جاتی ہے۔

(۱) **علم صرف:** علم صرف میں لفظ سے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لفظ مختلف حروف کا مجموعہ ہوتا ہے، لفظ کے دو اقسام ہیں۔ مہمل اور معنی۔ مہمل سے مُراد وہ لفظ ہے جس کا کوئی مطلب نہ نکلے۔ معنی وہ لفظ ہے جس سے کوئی مطلب نکلے۔

معنی کی پانچ قسمیں ہیں: (ا) اسم (ب) صفت (ج) ضمیر (د) فعل (ہ) تمیز

(ا) **اسم:** جس لفظ سے کسی شخص، جگہ اور چیز کا نام ظاہر ہو، مثلاً: اکمل، پٹنہ، لیپ ٹاپ وغیرہ

(ب) **صفت:** وہ لفظ جو کسی اسم یا ضمیر کی خصوصیت (خوبی یا کمی) بیان کرے صفت کہلاتا ہے۔ مثلاً: کالا گھوڑا، عقل مند آدمی وغیرہ۔

(ج) **ضمیر**: وہ لفظ جس کا استعمال اسم کی جگہ کیا جائے۔ مثلاً: وہ، ہم، یہ، تم وغیرہ

(د) **فعل**: وہ لفظ جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہو۔ مثلاً: آنا، جانا، کھانا، پینا، کرنا وغیرہ

(ہ) **تمیز**: وہ لفظ جس سے **فعل** یا صفت کی کیفیت کا اظہار ہو اور اس کے آنے سے **فعل** یا صفت کے معنی میں تھوڑی کمی بیشی پیدا ہو۔ آگے، پیچھے، پہلے، بعد وغیرہ

(۳) **علم نحو**: علم نحو میں جملے سے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں جملوں کی ساخت سے بحث ہوتی ہے۔

(۴) **اوقاف**: اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ تحریر میں کہاں خمسہ، وقفہ، واوین، سکتہ، خاتمہ، سوالیہ نشان، قوسین، بت کامل، تشدید، مد وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

علامت Symbol singn	اردو نام In Urdu	انگریزی نام In English
،	سکتہ	چھوٹا ٹھراؤ (Comma)
؛	وقفہ	کوئی علامت نہ ہو (Semi Colon)
‘‘ ’’	واوین	دو جگہ دو سکتہ (Inverted Commas)
۔	خاتمہ	جس پر جملہ ختم ہو (Full Stop)
؟	سوالیہ نشان	جس جملے میں کوئی سوال ہو (Question Mark)

اس کا استعمال لفظ کو الگ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ (Brackets)	قوسین	()، []
برائے تخلص (Pen Name)	بت	ؔ
مد کا استعمال کسی لفظ کی آواز کو بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔	مد	ٓ
یہ نشان لگنے کے بعد حرف کو دو بار پڑھا جاتا ہے ایک بار آدھا اور دوسری بار پورا۔	تشدید	ّ

(۵) **علم عروض:** وہ علم ہے جس سے نظم کی قواعد معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں شعر کے اوزان و بحور کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

جنس (Gender)

جنس: ہر اسم یا مذکر ہوگا یا مؤنث، اسے جنس کہتے ہیں۔ اس طرح جنس دو طرح کے ہوتے ہیں:

مذکر و مؤنث۔

مذکر : وہ اسم جس سے نر مراد ہو۔ جیسے: گھوڑا، آدمی، بادل وغیرہ

مؤنث : وہ اسم جس سے مادہ مراد ہو۔ جیسے: مچھلی، دولت، لڑکی، گائے وغیرہ

مذکر و مؤنث بنانے کا قاعدہ: لفظوں کے آخر میں ''الف'' یا ''ہ'' مؤنث بنانے کے لیے ''الف'' سے ''ی'' سے بدلتے ہیں۔ جیسے بکرا سے بکری، نانا سے نانی، شہزادہ سے شہزادی۔ اسی طرح مذکر کے آخر میں ''نی'' یا ''انی'' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے شیر سے شیرنی، مہتر سے مہترانی۔ کبھی مذکر کے آخر میں کچھ تبدیل کر کے یا بغیر تبدیل کیے ''یا'' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے بندر سے بندریا، کتا سے کتیا وغیرہ۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	شیر	شیرنی
لڑکا	لڑکی	شاعر	شاعرہ

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
دھوبی	دھوبن	جوگی	جوگن
دولھا	دلہن	غلام	باندی
مور	مورنی	مرد	عورت
استاد	استانی	گونگا	گونگی
مرغا	مرغی	پدر	مادر

تعداد

(Number)

تعداد: اسم یا تو ایک ہوتا ہے یا ایک سے زیادہ اور اسی کو تعداد کہتے ہیں۔ تعداد کی قسمیں دو ہیں: واحد، جمع

واحد: واحد سے مُراد ایک کے ہے۔

جمع : جمع سے مراد دو یا دو سے زائد کے ہیں۔

واحد سے جمع بنانے کا طریقہ: جس اسم کے آخر میں ''الف'' یا ''ہ'' ہو اسے ''ے'' سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے: کتّا سے کتّے، لڑکا سے لڑکے، تختہ سے تختے وغیرہ۔ جس اسم کے آخر میں ''ی'' ہو تو اس کو ''اں'' سے بدل دیتے ہیں۔ بلّی سے بلّیاں، لڑکی سے لڑکیاں وغیرہ۔

واحد	جمع	واحد	جمع
ادیب	ادبا	فکر	افکار

واحد	جمع	واحد	جمع
شاعر	شعرا	فقیر	فقرا
آیت	آیات	فوج	افواج
اثر	آثار	قول	اقوال
امیر	اُمرا	مجلس	مجالس
رئیس	رَؤسا	مسجد	مساجد
برکت	برکات	وقت	اوقات
تحفہ	تحائف	ورق	اوراق
جاہل	جہلاء	وزیر	وزرا
سبق	اسباق	یوم	ایام
سلطان	سلاطین	منظر	مناظر
سطر	سطور	مسئلہ	مسائل
صنم	اصنام	لفظ	الفاظ

واحد	جمع	واحد	جمع
شخص	اشخاص	مکان	مکانات
مرض	امراض	لقب	القاب
شجر	اشجار	باب	ابواب
سجدہ	سجود	شعر	اشعار
غریب	غربا	سوال	سوالات
جواب	جوابات	غزل	غزلیات
مرثیہ	مراثی	نظم	نظمیں
مثنوی	مثنویاں/مثنویات	قصیدہ	قصائد
رباعی	رباعیات	قطعہ	قطعات

متضاد (تضاد، ضد)

(Antonyms)

متضاد: وہ لفظ جو ایک دوسرے کے برعکس معنی رکھتے ہوں، ضد کے معنی الٹا ہے۔ یعنی جن الفاظ کے معنی ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہوں، انھیں متضاد یا تضاد کہتے ہیں۔ مثلاً: بھائی کی ضد بہن، رات کی ضد دن، زمین کی ضد آسمان وغیرہ۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
آزادی	غلامی	حرام	حلال
امانت	خیانت	خوشی	غم
اوّل	آخر	جدید	قدیم
ازل	ابد	آگ	پانی
انعام	سزا	حق	باطل
غریب	امیر	دھوپ	چھاؤں

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
مشکل	آسان	محبت	نفرت
ادنیٰ	اعلیٰ	اندھیرا	اجالا
آغاز	انجام	سچا	جھوٹا
تازہ	باسی	سختی	نرمی
دن	رات	سونا	جاگنا
فانی	باقی	زندہ	مردہ
جنگ	امن	صحیح	غلط
بلندی	پستی	ظاہر	باطن
موت	زندگی	بخیل	سخی
کثرت	قلت	محتاج	غنی

اصناف نثر

داستان

داستان اردو کی قدیم نثری صنف ہے جس کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ ملا وجہی کی کتاب سب رس کو اردو کی پہلی داستان مانا جاتا ہے۔ مافوق الفطرت عناصر اور قصہ در قصہ کی تکنیک صنف داستان کی اہم خوبیاں ہیں۔ اس میں طوالت اور دلچسپی بھی پائی جاتی ہے۔ قصہ مہر افروز دلبر، نوطرز مرصع، عجائب القصص، بوستانِ خیال، داستان امیر حمزہ، طلسم ہوش ربا، باغ و بہار اور فسانۂ عجائب وغیرہ اردو کی قابل ذکر داستانیں ہیں۔ مذکورہ داستانوں میں باغ و بہار سب سے زیادہ مقبول و معروف داستان ہے جس کے مصنف میر امن دہلوی ہیں۔ اس کی مقبولیت کا راز اس کے اسلوب میں پوشیدہ ہے۔

ناول

ناول کے لفظی معنی ''نئے'' کے ہیں۔ یہ لفظ دراصل اطالوی لفظ **NOVELLA** سے نکلا اور انگریزی ادب کے زیر اثر اردو میں آیا۔ مغرب میں ناول کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ یہ ایک ایسا نثری قصّہ ہے جس میں صنعتی عہد کے پس منظر میں فرد اور سماج کی کشمکش دکھائی گئی ہو۔

اردو میں ناول سے مراد ایسے نثری قصّہ سے ہے جس میں ایک واضح اور منظّم پلاٹ ہو، جس میں خیالی کہانیوں کے بجائے زندگی کے مسائل و معاملات اور واقعات تسلسل کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ ناول کا فن انسانی معاشرے کی سرگرمیوں اور ان میں پیدا ہونے والی مختلف قسم کی کیفیتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ ناول اپنے اندر تجربات اور زندگی کے حقائق کا شعور رکھتا ہے۔ فنی اعتبار سے ناول کی تشکیل کے لئے قصّہ یا پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور نقطۂ نظر کو بنیادی اجزائے ترکیبی قرار دیا گیا ہے۔ ان اجزائے ترکیبی میں پلاٹ اور کردار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کے بغیر ایک معیاری ناول نہیں لکھا جا سکتا ہے۔

اردو میں **1857**ء کے بعد تہذیبی اور تمدّنی زندگی کے مختلف گوشوں میں قدیم و جدید، مشرق و مغرب عقلیت اور مذہب کی کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ اس تصادم کی فضا نے ناول کے لئے سازگار ماحول فراہم کیا۔ اردو میں ناول کے باقاعدہ آغاز کا سہرا ڈپٹی نزیر احمد کے سر ہے۔ ان کے ناول ''مرآۃ العروس''، ''توبتہ النّصوح''، ''فسانۂ مبتلا''، اور ''ابن الوقت'' ناول کے اولین نمونے ہیں، مگر یہ ناول کے فنی تقاضوں پر کھرے نہیں اترتے ہیں۔ نذیر احمد کے بعد سرشار نے ناول کو نیا موڑ دیا۔ ''فسانۂ آزاد'' سرشار کی مایہ ناز تصنیف

ہے۔ سرشار کے بعد عبدالحلیم شرؔر کا نام آتا ہے، انھوں نے تاریخی ناول لکھے۔ ان کا ناول ''فردوس بریں'' قابل ذکر ہے، اس دور کے دیگر ناول نگاروں میں سجاد حسین، سرفراز حسین وغیرہ ناول نگاروں نے بھی ناول کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ناول نگاروں کی اگلی کڑی میں مرزا ہادی رسوؔا خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے ناول ''امراؤ جان ادا''، ''شریف زادہ'' اور ''ذاتِ شریف'' ہیں جس میں ''امراؤ جان ادا'' کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ اسے اردو کا پہلا کامیاب ناول قرار دیا گیا ہے۔ رسوؔا کے بعد منشی پریم چند نے اردو ناول کو عام انسانوں کی زندگی کا ترجمان بنایا۔ پریم چند کے ناول ''بازارِ حسن''، ''گوشۂ عافیت''، ''غبن'' ''میدانِ عمل'' اور ''گئودان'' میں گئودان کو لازوال مقبولیت حاصل ہے۔ پریم چند کی ناول نگاری کی معراج ''گئودان'' میں ملتی ہے۔

پریم چند کے بعد کے ناول نگاروں میں سجاد ظہیر، قرۃ العین حیدر، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا ناول ''آگ کا دریا'' عصمت چغتائی کا ''ٹیڑھی لکیر'' سجاد ظہیر کا ''لندن کی ایک رات'' کرشن چندر کا ''شکست'' اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ ان ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اردو ناول کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ اس کے علاوہ بھی عبداللہ حسین، حسین الحق، نور الحسنین، شموئل احمد، خدیجہ مستور، ممتاز مفتی، حیات اللہ انصاری، انتظار حسین، جیلانی بانو، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، عبدالصمد، الیاس احمد گدّی، سید محمد اشرف، غضنفر، پیغام آفاقی اور مشرف عالم ذوقی نے بھی ناول نگاری کے سفر کو آگے بڑھایا۔

سوانح

سوانح ایسی نثری صنف ادب ہے جس میں کسی شخصیت کی پیدائش سے لے کر موت تک کے واقعات کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے کی زیادہ تر سوانح عمریاں بزرگانِ دین اور عمائدین سلطنت کو موضوع بنا کر لکھی گئیں۔ **1857** کے بعد مغربی ادب کے زیر اثر جن اصناف ادب کا باضابطہ فروغ ہُوا ان میں ایک سوانح بھی ہے۔ سرسید نے سیرت فریدیہ، حالی نے حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید، سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی، صالحہ عابد حسین نے یادگار غالب جیسی قابل ذکر سوانح لکھیں۔

خطوط نگاری

(Letter Writing)

خط عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی لکیر یا نشان کے ہیں۔مجازی طور پر یہ ایک تحریری رابطہ ہے۔بہترین خط لکھنا ایک فن ہے، اس میں بڑی کاری گری کی ضرورت پڑتی ہے۔خط کے ذریعے ہم ایک دوسرے کا حال پوچھتے ہیں، کاروباری باتیں کرتے ہیں۔خط لکھنے والے کو مکتوب نگار، خط پانے والے کو مکتوب الیہ کہتے ہیں۔

خط کے لکھنے کے آداب:

(1) تحریر میں سادگی۔

(2) تحریر میں برجستگی۔

(3) بہترین خط وہ ہے جس کو جس مقصد کے لیے لکھا جائے اس کا مقصد پورا ہو۔

خطوط کے قسمیں:

(1) ذاتی خطوط

(2) رسمی خطوط

(3) کاروباری خطوط

(4) سرکاری خطوط

(ا) ذاتی خطوط (Personal Letter):

ذاتی خطوط اپنے دوستوں رشتہ داروں وغیرہ کو لکھے جاتے ہیں جن میں اپنے حالات بیان کیے جاتے ہیں اور دوسروں سے ان کے حالات پوچھے جاتے ہیں۔ اردو ادب میں مرزا غالبؔ کے خطوط کو ذاتی خطوط کے دائرے میں رکھا جائے گا۔

(2) کاروباری خطوط (Professional Letter):

جب کوئی اپنے کاروبار کے متعلق خط لکھے جس میں کاروبار کے حالات اور اس سے متعلق باتوں کو بیان کیا جائے، ایسے خط کو کاروباری خط کہتے ہیں۔

(3) سرکاری خطوط (Official Letter):

اسکول میں فیس معافی، بیمار پڑنے پر چھٹی، اسکالرشپ، بجلی کی کٹوتی پر شعبۂ بجلی کو خط، نوکری کے لیے خط وغیرہ لکھے جانے والے خط سرکاری خطوط کے دائرے میں آتے ہیں۔

(4) رسمی خطوط (Traditional Letter):

مرنے جینے کی اطلاع، شادی یا تقریبات میں شرکت کے لیے جو خط لکھے جاتے ہیں انھیں رسمی خط کہتے ہیں۔

خط کا خاکہ

(Structure of Letter)

تاریخ: ۵/مئی ۲۰۲۲ء

محترم والد صاحب۔

السلام علیکم!

میں ہاسٹل میں بخیریت ہوں۔ میرا دل یہاں لگ گیا ہے اور بہترین دوست بھی بن گئی ہیں۔ اب خوب پڑھائی کرنے لگی ہوں۔ آپ لوگ فکرمند نہ ہوں۔ اپنے حالات سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیے گا۔

خدا حافظ!

آپ کی بیٹی

مریم

درجہ: نہم

پڑھائی کے اخراجات

کے لیے خط

(۱) اپنے والد کو ایک خط لکھیے جس میں اپنی پڑھائی کے اخراجات کا ذکر کرتے ہوئے روپے کا مطالبہ کیجیے؟

تاریخ ۲۵ رمئی ۲۰۲۲
مسلم ہاسٹل، الہ آباد

جناب والد محترم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ!

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ہوں۔ کچھ دنوں میں میرا سالانہ امتحان ہونے والا ہے۔اس لیے میں ابھی گھر آنے سے قاصر ہوں۔اب امتحان دے کر ہی میں گھر آؤں گا۔آپ نے جو کتاب، کاپی

اور دوسری ضروری چیزوں کے لیے روپے بھیجے تھے وہ ختم ہونے والے ہیں۔

لٰہذا آپ سے گزارش ہے کہ اس مہینے کا خرچ کسی کی معرفت جلد سے جلد بھیجنے کی مہربانی کریں تاکہ میں بےفکر ہوکر اپنے امتحان کی تیاری کرسکوں۔ چھوٹے بھائی کو میری طرف سے پیار اور امّی کی خدمت میں سلام۔

طالب دعا
آپ کا فرزند
محمد سعد

جناب: محمد اسلم بھیٹی، چوک مئوناتھ بھنجن، مئو	منجانب: محمد سعد مسلم ہاسٹل الٰہ آباد

-----

(۲) اپنے دوست کے والد کے انتقال پر ان کو ایک تعزیتی خط لکھیے۔

میڈ اولی، فیز۔۲
نئی دہلی
تاریخ: ۱۵؍اگست ۲۰۲۲ء

پیارے دوست!

اسلام علیکم

تمھارے والد کے انتقال کی خبر ملی۔ دل بہت رنجیدہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ مگر افسوس انھوں نے بھی اس دار فانی کو لبیک کہا۔

زندگی کا یہی دستور ہے۔ ایک نہ ایک دن ہم سب کو اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ساتھ ہی اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔

شریک غم
محمد انس

-----

(۳) اپنے والد صاحب کے نام ایک خط لکھیے جس میں اپنے امتحان کی تیاری کا ذکر ہو۔

سول لائنس

پریاگ راج

تاریخ: ۲۶رفروری ۲۰۲۲ء

محترم ابّا جان!

اسلام علیکم

آپ کا خط موصول ہوا، خط پڑھنے کے بعد بے حد خوشی ہوئی۔ الحمد اللہ! میری پڑھائی بھی اچھی چل رہی ہے۔ اگلے مہینے سے میرا امتحان شروع ہوگا۔ میں پورے انہماک کے ساتھ تیاری کرر ہا ہوں۔

امید ہے کہ اس دفعہ میں امتیازی نمبر سے کامیاب ہو جاؤں گا۔ آپ میری کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ گھر کے سبھی افراد کو میرا اسلام۔

آپ کا پیارا بیٹا

عبداللہ

-----

(۴) اپنے پرنسپل کو ایک درخواست لکھیے جس میں اسکول فیس معاف کرنے کی گزارش کی جائے؟

بخدمت شریف

پرنسپل، گورنمنٹ انٹر کالج،

بنارس، اتر پردیش۔

موضوع: فیس معاف کرنے کے سلسلے میں

اعلی جناب!

گزارش ہے کہ میں نویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ میرے والد ایک غریب کسان ہیں۔ ان کی آمدنی انتہائی قلیل ہے اور گھر کے اخراجات بہت زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے مجھے اسکول کی فیس جمع کرنے میں مشکل ہو رہی ہے۔ میں بہت محنت اور مشقت کے ساتھ پڑھائی کرتا ہوں اور امتیازی نمبر سے کامیاب ہوتا رہا ہوں۔

حضور والا سے بصد احترام یہ التجا ہے کہ اس سال کی میری اسکول فیس معاف کر دی جائے۔ اس مہربانی کے لیے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

ملتجی

محمد محفوظ

درجہ 9B

رول نمبر 37

مضمون نگاری

مضمون نگاری میں کسی موضوع پر اس تسلسل کے ساتھ خیالات کو پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا مکمل معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے متاثر ہو سکے۔ اردو میں مضمون نگاری کا فن انگریزی ادب سے آیا۔ دلّی کالج کے ماسٹر رام چندر اور سر سید احمد خاں نے بھی اردو ادب میں مضمون نگاری کو فروغ دیا۔ مضمون نگاری میں زندگی اور سماج کے ہر پہلو کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

مضمون کے اجزائے ترکیبی کو تین حصوں میں بانٹ سکتے ہیں:

(1) **تمہید:** اس میں مضمون کے موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

(2) **نفسِ مضمون:** اس میں موضوع کے ہر پہلو کو صفائی اور سادگی سے پیش کرتے ہیں۔ مضمون نگار موضوع کی خوبی اور خامی کو غیر جانبدارانہ انداز سے بیان کرتا ہے۔

(3) **خاتمہ:** مضمون کے ختم ہونے پر قاری مکمل معلومات حاصل کرنے کے ساتھ گہرا متاثر ہوتا ہے۔

مضمون اور انشائیہ لکھنے میں ایک قلیل فرق یہ ہے کہ مضمون نگار سادہ بیانی سے مکمل جانکاری دیتا ہے اور انشائیہ پرداز دلچسپ انداز میں جذبات سے پُر ہو کر موضوع کو پیش کرتا ہے۔

میرااسکول

میں گورنمنٹ انٹر کالج آگرہ کا طالب علم ہوں۔ میرا اسکول شہر کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کی عمارت بہت وسیع اور خوبصورت ہے۔ میرے اسکول میں ۳۰ (تیس) کمرے ہیں۔ سبھی کمرے کشادہ اور صاف ستھرے ہیں۔ ہر کمرے میں الگ الگ جماعتیں پڑھتی ہیں۔ شعبۂ سائنس ایک الگ عمارت میں ہے۔ ایک کمرہ آفس اور دو کمرے اساتذہ کے استعمال کے لیے ہیں، جسے اسٹاف روم کہتے ہیں۔ ایک کمرے میں پرنسپل صاحب کا آفس ہے۔ آرٹ، موسیقی اور اردو کے لیے الگ الگ کمرے ہیں۔ ایک بڑی سی لائبریری ہے۔ جگہ جگہ پھولوں کی کیاریاں اور سایہ دار درخت بھی ہیں۔ میرے اسکول میں ایک بڑا سا کھیل کا میدان بھی ہے۔

اسکول میں طلبا کی تعداد تقریباً **2000** (دو ہزار) ہے اور اساتذہ کی تعداد **60** (ساٹھ) ہے۔ سبھی اساتذہ بچوں کو بہت محنت سے پڑھاتے اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ میرے اسکول کا نتیجہ ہمیشہ اچھا آتا ہے۔ پڑھائی کے علاوہ کھیل کود میں بھی میرا اسکول ہمیشہ آگے رہتا ہے۔ ہمارے اسکول کی ہاکی کی ٹیم پورے صوبے میں سب سے اچھی ٹیم مانی جاتی ہے۔ ہمیں اپنے اسکول کے طالب علم ہونے پر فخر ہے۔

برسات کا موسم

ہمارے ملک میں تین موسم ہوتے ہیں: جاڑا، گرمی اور برسات۔ گرمی کے موسم کے بعد برسات کا موسم آتا ہے۔ مئی اور جون کی گرمی میں لو کے تھپیڑوں اور دھوپ کی شدّت کو جھیلنے کے بعد جب بارش کی بوندیں تپتی ہوئی زمین پر پڑتی ہیں تو مٹّی سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی مہک خوشی سے جھومتے ہوئے پیڑ پودے، بارش کے پانی کے گرنے کی آواز سے نکلنے والی موسیقی انسانی حواس پر نشہ بن کر چھا جاتی ہے۔ جنگلوں میں مور ناچنے لگتے ہیں۔ گرمی کی شدّت سے سوکھے ہوئے ندی نالے پھر سے بھر جاتے ہیں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ برسات ہر انسان، جانور، پرند چرند، شجر، حجر اور نباتات سبھی کے لیے ایک نعمت بن کر آتی ہے۔

یہ موسم کسانوں کے لیے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی کھیتی تو بارش کے پانی پر ہی منحصر ہوتی ہے۔ ہمارے ملک کے کسان بڑی آس سے اس موسم کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ آسمان پر چھائی گھٹاؤں کو دیکھ کر ان کے دل خوشی سے جھوم جاتے ہیں۔ نظیر اکبرآبادی نے کیا خوب لکھا ہے:

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھم جھماہٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر چیز کے کچھ فائدے ہیں تو کچھ اس کے نقصانات بھی۔ کئی روز کی مسلسل بارش سے ندی نالے بھر جاتے ہیں۔ سیلاب آجاتا ہے۔ گاؤں کے گاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ سڑک وغیرہ پر پانی بھر جانے سے آمد و رفت میں پریشانی ہوتی ہے۔ بعض علاقوں میں وبائی امراض بھی پھیل جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمارے لیے یہ موسم بہت اہم ہے۔ مجھے یہ موسم بہت سہانا لگتا ہے۔

یومِ آزادی

شہیدوں کی مزاروں پر لگیں گے ہر برس میلے
وطن پر مٹنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا

15 اگست 1947ء کو ہمارا ملک انگریزوں کی حکومت سے آزاد ہوا۔اس لیے 15 اگست کو ہر سال ہمارے ملک میں یومِ آزادی منایا جاتا ہے۔اس سے پہلے ہم انگریزوں کے غلام تھے۔تقریباً سو سال تک انھوں نے ہمارے ملک پر حکومت کی۔ہم ان سو سالوں میں غلامی کی زنجیروں میں پوری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ہمارے معاشی اور معاشرتی حالات انگریزوں کے مرہونِ منّت تھے۔ہم اپنی مرضی کے مالک نہیں تھے۔

ہمارے ملک کے رہنماؤں نے آزادی کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا اور غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ملک کو آزاد کرانے کی ٹھانی۔اس کے لیے جدوجہد کی۔قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں۔لاٹھیاں کھائیں اور آخرکار انگریزوں کو بھارت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

ایک طرف گاندھی جی کی قیادت میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، ڈاکٹر راجیندر پرساد اور دیگر حضرات نے جنگِ آزادی میں حصّہ لیا تو دوسری طرف بھگت

سنگھ، اشفاق اللہ اور سکھ دیو وغیرہ جیالوں نے پھانسی پر لٹک کر جامِ شہادت پیا، جس کے نتیجے میں آج ہم آزاد ملک میں سانس لے رہے ہیں۔

15 اگست کو پورے بھارت میں یومِ آزادی بہت جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ اسکول، کالج میں فنکشن ہوتے ہیں۔ تمام سرکاری وغیرسرکاری اداروں اور دفتروں میں ترنگا جھنڈا لہرا کر سلامی دی جاتی ہے اور راشٹر گان گایا جاتا ہے۔ تقاریر ہوتی ہیں اور مٹھائیاں بھی باٹی جاتی ہیں، آزادی کے ترانے گائے جاتے ہیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ہمارے ملک میں امن وچین اور قومی یک جہتی کا ماحول بنائے رکھیں۔ تبھی ہماری مشقتوں سے حاصل ہوئی اس آزادی کی حفاظت ہو سکے گی۔

محرّم

اسلامی کیلنڈر کے پہلے مہینے کا نام محرّم ہے۔ لیکن جب کبھی بھی ہماری سماعت میں لفظ محرّم آتا ہے تو ہمارے تصور میں محرم کی دسویں تاریخ ہی آتی ہے۔ کیونکہ محرم کی دس تاریخ کو ہمارے پیارے نبیؐ کے نواسے حضرت امام حسینؓ کربلا کے میدان میں تین دن کی بھوک، پیاس میں یزید کی فوج سے جنگ کرتے ہوئے اپنے **71** (اکہتر) ساتھیوں کے ساتھ شہید کر دئے گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے فاسق بادشاہ یزید کے ہاتھوں پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے نانا محمدﷺ کا دین اسلام یزید کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتا۔

فوجِ یزید نے نہ صرف امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا بلکہ ان کی شہادت کے بعد ان کے عزیز واقربا پر بے حد ظلم کیا، عورتوں اور بچوں کو قید کر کے شہر بہ شہر گھمایا۔ طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ اس ظلم کی داستان کو محرم کے دنوں میں دہرایا جاتا ہے اور ہمارے پیارے نبیؐ کے نواسے حضرت امام حسینؓ کا غم منایا جاتا ہے۔

ان کی یاد میں علم اٹھائے جاتے ہیں، تعزیہ اٹھائے جاتے ہیں، نوحہ و ماتم کیا جاتا ہے، مجلسیں برپا ہوتی ہیں، گھر گھر نذر و فاتحہ کا اہتمام ہوتا ہے، غریبوں کو لنگر کھلایا جاتا ہے اور جگہ جگہ شہادت کا بیان ہوتا ہے۔

عزیز دوست

میری عزیز دوست کا نام روحی ہے۔ وہ میرے اسکول میں میرے ہی کلاس درجہ 9 میں پڑھتی ہے۔ وہ کلاس کی سب سے ہوشیار اور خوبصورت لڑکی ہے۔ روحی ہمیشہ وقت پر اسکول آتی ہے۔ وہ صاف ستھرا یونیفارم پہنتی ہے اور اساتذہ کا کہنا مانتی ہے۔ وہ درجے کی سب سے ذہین لڑکی ہے اسی لیے وہ ہمیشہ درجے میں اوّل آتی ہے۔ اسکول کے سبھی اساتذہ اور درجے کے سبھی بچے روحی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ وہ سب کے ساتھ ادب سے پیش آتی ہے، اس لیے وہی ہمارے کلاس کی مانٹیر ہے۔

روحی پڑھائی کے ساتھ ساتھ اسکول میں ہونے والی دیگر سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی ہے۔ وہ اپنے اسکول کے باسکٹ بال ٹیم کی کپتان ہے۔

اس سال یوم آزادی کے پروگرام میں روحی نے بہت اچھی تقریر کی۔ جس سے خوش ہوکر پرنسپل صاحبہ نے اسے انعام سے بھی نوازہ۔

روحی کے والد ایک اسکول میں ماسٹر ہیں اور اس کی والدہ گھر سنبھالتی ہیں۔ مجھے جب کبھی پڑھائی میں کسی قسم کے دقت آتی ہے تو میں روحی کے گھر چلی جاتی ہوں۔ وہ بہت پیار سے مجھے سمجھا کر میری دقت دور کر دیتی ہے۔ مجھے اپنی دوست بہت عزیز ہے اور وہ بھی مجھے بہت عزیز رکھتی ہے۔

آن لائن کلاس

ہم سب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ''کرونا وائرس'' نے وبا کی شکل میں پوری دنیا کو ہلا دیا۔ ہمارے ملک میں بھی کرونا کی وبا کا بہت اثر رہا۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک میں ''لاک ڈاؤن'' لگا دیا گیا اور لوگوں کو گھر سے نکلنا منع ہو گیا۔ اسکول کالج آفس، بازار وغیرہ بند ہو گئے۔ ایسے میں بچوں کی پڑھائی متاثر ہو رہی تھی۔ لیکن تکنیکی دنیا نے اس کا بھی حل نکال لیا۔ گھر گھر انٹرنیٹ کی سہولیت ہونے کی وجہ سے آن لائن پڑھائی شروع کر دی گئی۔ اس میں اساتذہ انٹرنیٹ کے ذریعے موبائل فون یا لیپ ٹاپ پر بچوں سے جڑتے، ویڈیو بنا کر بچوں کو واٹس ایپ کے ذریعے پڑھایا جانے لگا۔ بچوں کو بھی ایک نیا تجربہ ہوا۔ وہ بھی خوشی خوشی موبائل یا لیپ ٹاپ کے ذریعے اپنی تعلیم جاری کرنے لگے۔

آن لائن کلاس کی ایک خوبی یہ بھی رہی کہ بچوں کو جب بھی وقت ملے وہ اپنی سہولیت کے مطابق ویڈیو دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں۔ ایک بار سمجھ میں نہ آنے پر بار بار ویڈیو دیکھ سکتے ہیں۔ کتاب نہ ہونے پر بھی انٹرنیٹ سے کتاب نکال کر یا اپنی استاد سے فوٹو منگوا کر پڑھائی کر سکتے ہیں۔ بچوں انٹرنیٹ سے سوالوں کے جوابات ڈھونڈنا بھی آ گیا۔ آن لائن کلاس کرنے میں اکثر دشواریاں بھی آئیں۔ جیسے کسی

بچے کے والدین کی مالی حالت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے انڈرائڈ فون یا لیپ ٹاپ کا نہ ہونا، انٹرنیٹ کا نہ چلنا، گھر میں بند رہنے کی وجہ سے جسمانی ورزش نہ ہو پانا، مشین کے استعمال کی وجہ سے استاد و شاگرد کے مابین جذباتی تعلقات ختم ہونا وغیرہ۔

آخر میں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اتنی بڑی وبا اور پریشانی میں آن لائن کلاس ایک نعمت بن کر آئی ہے۔جس کے ذریعے بچوں کی پڑھائی کا نقصان نہیں ہوسکا۔ بچے نئے ایپلیکیشن و لنک کا استعمال کر اپنے نصاب کے علاوہ بھی معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ جوان کے مستقبل کے لیے بہت مفید مند ہے۔

غیر درسی عبارت کا خلاصہ

غیر درسی عبارت سے مراد ایسی عبارت یا اقتباس ہے جو ہمارے نصاب میں شامل نہ ہو لیکن امتحان میں اس کا خلاصہ اور اس سے متعلق سوالات پوچھے جائیں۔ طالب علم غیر درسی عبارت دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور اس کا خلاصہ یا مفہوم لکھنے کے بجائے اسے جوں کا توں کاپی پر لکھ دیتے ہیں۔ اُس کے لیے اگر چند باتوں کا خیال رکھا جائے تو خلاصہ لکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

اقتباس کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ اقتباس میں کسی کے بارے میں کیا کہا جارہا ہے اور کس بات پر زیادہ زور دیا جارہا ہے۔ مشکل الفاظ کون کون سے ہیں اور اقتباس میں کیا کوئی محاورہ یا مثال موجود ہے...؟ اقتباس کے ذریعے مصنف کیا پیغام دینا چاہ رہا ہے۔ ان ضروری چیزوں کو ذہن میں رکھیں کیونکہ سوالات انھیں سے متعلق ہوتے ہیں۔ خلاصہ لکھتے وقت خیال رہے کہ عبارت کے الفاظ جوں کا توں نہ لکھیں۔ بلکہ اس کا مفہوم سمجھ کر آپ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ خیال رہے کہ خلاصہ تشریح کے زمرے میں نہیں آتا۔

☆ اقتباس سے متعلق جو بھی سوال پوچھے جائیں اس کے جواب عبارت کے مطابق ہوں۔ اس میں کوئی عبارت اپنی طرف سے نہ جوڑیں۔

''لڑکیوں کوتعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا اشد ضروری ہے۔ بلکہ قوم کی ترقی کے ساتھ-ساتھ خاندان کی ترقی میں ان کا بہت بڑا رول ہوتا ہے۔ایک مشہور قول ہے: ''ایک مرد پڑھا تو ایک فرد پڑھا لیکن ایک عورت پڑھی تو پورا خاندان پڑھا۔'' لڑکی کے اوپر اپنے بچوں کے پرورش کی ذمہّ داری ہوتی ہے۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوں تو کہا جاتا ہے کہ: ''ماں بچّے کا پہلا اسکول ہوتی ہے۔'' اگر عورتیں تعلیم یافتہ ہوں گی تو ایک اچھے اور صحت مند معاشرہ کی تشکیل کریں گی۔''

(1) اقتباس کا ایک مناسب عنوان لکھیے؟

(2) عورتوں کے سلسلے میں مشہور اقوال لکھیے جو اقتباس میں آیا ہو؟

(3) ''معاشرہ'' کے کیا معنی ہیں؟

نوٹس

نوٹس

نوٹس

نوٹس